يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ

تقلید ائمہ

مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی

ناشر

(مولانا) معاذ الاسلام سنبھلی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ

تقلیدِ ائمہ

ائمہ اربعہ کے مختصر حالات، نیز تقلید کی اہمیت و ضرورت پر
ایک جامع و عظیم تالیف

مؤلف

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی

ناشر

مولانا معاذ الاسلام سنبھلی
مدرس مدرسہ عربیہ مرادآباد (یو۔پی)

باھ

محفوظ الحسن سنبھلی

حق محفوظ ہیں

نام کتاب — تقلید ائمہ

مؤلف — مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی

ناشر — مولانا معاذ الاسلام صاحب سنبھلی

تعداد — ایک ہزار

قیمت — آٹھ روپیہ

باہتمام — محفوظ الحسن سنبھلی

مطبوعہ — جمال پریس دہلی ۱۱۰۰۰۶

ملنے کے پتے

۱. محفوظ الحسن سنبھلی
[illegible]

۲. ادارۃ الاشاعت دینیہ
نظام الدین نئی دہلی

۳. کتب خانہ رشیدیہ
جامع مسجد دہلی

۴. سبحانی بک ڈپو
لال کنواں

۵. ڈاکٹر محمد شعیب
میاں سرائے سنبھل

۶. مولانا معاذ الاسلام
مدرسہ امدادیہ مرادآباد

۷. دہلی کتب خانہ
جامع مسجد دیوبند

۸. کتب خانہ فخریہ
مرادآباد

فہرست مضامین

ہدیہ تشکر ۳
عرض ناشر ۵
تاثرات مفتی عتیق الرحمٰن صاحب ۶
پیش لفظ ۸
مقدمہ ۱۳
مقصد تقلید اور اس کی حقیقت ۲۱
اجتہاد اور تقلید کی ضرورت ۲۳
اسلاف پر اعتماد کرنا دین کی بنیاد ہے ۲۷
تقلید کی تعریف ۲۸
تقلید کا ثبوت ۳۲
تقلید کے بارے میں شاہ ولی اللہ
کا مسلک ۳۶
عہد صحابہ و تابعین میں تقلید ۳۷
تقلید شخصی میں انحصار ۴۰
تقلید شخصی کا رواج ۴۳
مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کا انحصار ۴۶
مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کا انحصار
شخصی ربانی ہے ۴۸
تقلید شخصی کا وجوب ۴۹
اکثر محدثین مقلد تھے ۵۳
امام ابوحنیفہ کی تقلید اور اس کا پھیلاؤ ۵۸
عدم تقلید کا آغاز ۶۰
غیر مقلدین کو وہابی کیوں کہا جاتا ہے ۶۳
تقلید پر کیے جانے والے اعتراضات
کی حقیقت اور ان کا جواب ۶۴
اندھی تقلید ۹۳
حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ ۹۹
امام صاحب کے حالات ۱۰۰
امام صاحب کے متعلق بشارت نبوی ۱۰۱
امام صاحب تابعی تھے ۱۰۲
امام صاحب کا علم ۱۰۳
〃 عبادت و ورع اور تلاوت ۱۰۵
〃 جود و سخا اور تفقہ ۱۰۶
امام اعظم ثقہ، صدوق اور
حجۃ الحافظ تھے ۱۰۷
امام صاحب پر جرحیں اور ان کا
اجمالی جواب ۱۳۵
تفصیلی جواب کی تمہید ۱۳۶
تفصیلی جواب ۱۴۴
فقہ حنفی کے مسائل کے
ثبوت میں احادیث و
آثار ۲۰۹
ایک شبہ اور
اس کا جواب ۲۳۶

عرضِ ناشر

۱۸۵۷ء کے بعد نجدیوں سے متاثر ہو کر ہندوستان میں غیر مقلدیت کے فتنہ نے جنم لیا اور ایک چھوٹی سی جماعت نے تقلید کو ایک گمراہی قرار دے کر مسلمانوں میں افتراق و اختلاف کی فضا کو وسیع اور ائمہ کرام خصوصاً امام اعظم ابو حنیفہؒ کے خلاف بے بنیاد الزام تراشی، سب و شتم اور رکیک حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا جو آج تک جاری ہے۔

علمی لحاظ سے تقلید کے ثبوت اور عدم تقلید کے جواب میں نہ صرف علماء مقلدین بلکہ بعض منصف مزاج علماء غیر مقلدین کی بھی بڑی تعداد میں مستند کتابیں موجود ہیں لیکن اردو میں ایک ایسی جامع کتاب کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو جامع ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم بھی ہو کہ جس سے عوام و خواص سب ہی استفادہ کر سکیں۔

الحمد للہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی (جن کے علمی روحانی اور سیاسی مقام سے نہ صرف ضلع مراد آباد بلکہ پورا ملک واقف ہے) نے انتہائی جامع، مدلل و محقق کتاب (تقلید ائمہ) مرتب فرما کر پوری امت خصوصاً مقلدین حضرات پر بڑا احسان فرمایا۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

جس وقت یہ مسودہ کتابت میں تھا چند ماہ سے حضرت مولانا علیل تھے اور بار بار اس کا اظہار فرماتے تھے کہ یہ میری آخری علالت ہے۔ سب کی یہ خواہش تھی کہ یہ کتاب ان کی زندگی ہی میں چھپ کر تیار ہو جائے اور اس کے لیے مولانا مرحوم کے پوتے عزیزی مولانا محفوظ الحسن صاحب نے غیر معمولی جد و جہد بھی کی لیکن تدبیر پر تقدیر غالب آئی اور اس جد و جہد کے درمیان ہی وہ گھڑی آ پہونچی جس نے حضرت مولانا کو ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا کر دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا کے انتقال کے بعد کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ کتاب کی طباعت مزید مؤخر ہوتی چلی گئی اور پورے دو سال کے بعد یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ کتاب کی طباعت اسی ماہ (نومبر) میں مکمل ہو رہی ہے جو مولانا کی وفات کا مہینہ ہے۔

معاذ الاسلام عفی عنہ سنبھلی، مدرس مدرسہ امدادیہ، مراد آباد

نومبر ۱۹۷۷ء

ھدیۂ تشکر

یہ کتاب تقلید ائمہ مسلسل تین سال کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے اس کی طباعت میں جو دقت و دشواری تھی کتابت کا مرحلہ اس کی تصحیح اور پھر پریس اور پروف وغیرہ کا دیکھنا اور کتاب کی جلد سازی وغیرہ کرانا میرے بس کا روگ نہ تھا اس کے لئے میں دل سے دعا گو اور شکر گذار ہوں عزیز محترم مولانا حافظ مسعود الحسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ برادر زادہ مولانا ظہیر احسن مرحوم و مغفور کا جنہوں نے نہایت محنت اور جفاکشی اور پوری توجہ کے ساتھ اس کام کو حسن و خوبی انجام دیا۔

دوسری مشکل اس ہوشربا گرانی کے زمانہ میں اس کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں مالی دشواری درپیش تھی مگر خداوند کریم نے پردہ غیب سے ایسی صورت پیدا کر دی کہ جس میں اس کی قدرت پر حیرت زدہ ہوں کہ میرے چند مخلص احباب نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور مالی اعانت فرما کر مجھ کو اس قابل کر دیا کہ میں اس تالیف کو آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں ان سب کا دل سے شکر گذار ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دینی و دنیوی ترقیات سے نوازے۔

اسمائے گرامی معاونین

۱۔ مولانا الحافظ الحاج عبد الحق صاحب آنندی نیز گجرات کے دیگر احباب۔

۲۔ بمبئی کے بعض احباب بتوسط مولانا مقصود احمد صاحب اثری جھنگی۔

۳۔ محب مکرم الحاج محمد فاروق صاحب مالک جنرل سٹور، رام پور۔

۴۔ میاں بنارس بذریعہ مولانا ابوالقاسم صاحب نعمانی۔

۵۔ الحاج شیخ ولادت حسین صاحب، الحاج شیخ عبد الحمید صاحب امروہہ۔

تاثرات حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی مرحوم کی سرگرمیوں کا اصل میدان اگرچہ تقریر و خطابت تھا اور واقعہ یہ ہے کہ وہ اس میدان کے نامور جوان تھے لیکن عمر کے آخری حصہ میں تصنیف و تالیف کی وادیٔ پرخار میں بھی داخل ہو گئے تھے اور وقت کا بڑا حصہ اسی خدمت میں صرف کرنے لگے تھے۔ رسالہ "تقلید ائمہ" بھی ان کے اسی ذوق کی ایک کڑی ہے۔ مرحوم اس دنیا میں ہوتے اور ازراہِ تعلق اخلاص مجھ سے مشورہ کرتے تو میں ان سے بے تکلف عرض کرتا کہ زمانے کے تقاضے بدل گئے ہیں اور خدمت علم دین کے بہت سے شعبے ہیں۔ "وہ ان مسائل کو چھوڑ کر اصولی مذہب کی خدمت کیجئے" اور اپنی صلاحیتوں کو اس میں لگائیے۔ لیکن اب وہ ہمارے مشوروں سے بے نیاز ہو چکے ہیں، ان کی روح "تقلید ائمہ" کی اشاعت سے خوش ہوگی اور ہم ان کی روح کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔

جہاں تک مسئلہ تقلید اور اتباع ائمہ ہدیٰ کا تعلق ہے صحیح تو یہ ہے کہ یہ ایک فطری تاثر و ضرورت ہے جو ہمارے رسمی دلائل سے بے نیاز ہے۔ موقع کی مناسبت سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کی ایک عبارت نقل کرتا ہوں اس سے مسئلہ تقلید ائمہ پر بھی خاص روشنی پڑتی ہے۔ فرماتے ہیں:

> میں نے ایک جگہ بیان کیا تھا کہ ہم علی الاطلاق غیر مقلدین کو برا نہیں کہتے ہیں، دیکھئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خود مقلد نہ تھے مگر ہم ان کو اپنا پیشوا مانتے ہیں لیکن اس زمانے کے اکثر غیر مقلدین سے جو شکایت ہے وہ ان میں سوء ادب اللہ و رسولہ بہت بڑھی ہوئی ہے، اکابر کے ساتھ بدگمانی اور ان کی شان میں بے ادبی، باقی ہم نفس غیر مقلدی کو حرام نہیں کہتے غیر مقلدی بھی ایک مسلک ہے لیکن اس وقت کے عامہ کو ہم پسند نہیں۔ بہت سی چیزیں حرام تو نہیں ہوتی ہیں مگر بعض طبائع کے نزدیک ناپسند ہوتی ہیں مثلاً اوجھڑی حرام نہیں ہے مگر نفیس مزاج و لطیف الطبع لوگ اس کو پسند نہیں کرتے۔

(اسعد الابرار ملفوظات ۱۹ ستمبر ۱۹۳۸ء)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کوئی چیز نہ تھی سوائے اللہ رسول کے۔ اس لیے حضرت کے یہاں ہر مشرب کے لوگ تھے، غیر مقلد بھی وہابی بھی، بدعتی بھی اور سلسلہ میں داخل کرنے کے لیے اختلافات میں ان سے کوئی شرط نہ تھی۔ فرمایا کرتے تھے یہاں سب ٹھیک ہو جائیں گے آگے۔ رد القدح حالت خاص حضرت کے شایانِ شان تھی، دوسروں کو ایسا مناسب نہیں۔ ایک غیر مقلد کو بیعت فرمایا، دوسرے دن جماعت میں دیکھا کہ انہوں نے رفع الیدین اور آمین بالجہر سب چھوڑ دی تو خوش نہیں ہوئے اور فرمایا بھائی! وہ تم نے کیوں چھوڑا اور اگر تمہاری رائے ہی بدل گئی ہو تو خیر ورنہ اگر میری وجہ سے ہوا ہو تو ترکِ سنت کا وبال مجھ پر کیوں لیتے ہو۔ جیسا یہ بھی سنت ہے، وہ بھی سنت ہے۔ سبحان اللہ! حضرت کے اندر کیسا توسع تھا، اگر کوئی شخص تنگی کرے تو وہ خود دین سے نکل جائے۔

(مجالس الکلام ص ، ملفوظات ۲۳)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ علمی طور پر اس طرح کی عبارت سے زیادہ دل آزاری نہیں ہے، شروع سے یہی اختلاف چلا ہے۔ ایسی حالت میں مرحوم مؤلف کے دلائل و عبارت کا تجزیہ بھی کیسے کیا جائے۔ اور ان کی محنت کی داد کن الفاظ میں دی جائے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اپنے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہ کر وسعت و رواداری کا جذبہ عام کیا جائے۔ علمائے راسخین کا ہمیشہ یہی شیوہ رہا ہے اور یہی حق ہے۔

اے کمالِ عشق کے دیوانے
ماورائے عشق ہی ہے اک بات

عتیق الرحمٰن عثمانی
ندوۃ المصنفین، جامع مسجد، دہلی ۶
۱۹ ذی القعدہ ۱۳۹۷ھ
مطابق ۲ نومبر ۱۹۷۷ء

ادا ہو گیا۔ جب تک آزادی کے اہتمام کا وقت آیا آپ برابر کام انجام دیا ہے کہ جب ملک
آزاد ہے تو آپ سیاست کو خیرباد کہہ کر علم و تصنیف کے دامن میں واپس آگئے
اور برابر اس مبارک مشغلہ میں مصروف ہیں ہندوستان کے مختلف بڑے بڑے شہروں
میں قرآن و حدیث کا درس دیا اپنے بزرگوں کے قدم بقدم حدیث اور قرآن کی مخلصانہ
خدمت کے ساتھ ساتھ فقہ کی حدیث سے وابستہ ہے جس کی ایک مثال یہ تصنیف ہے اسی
طرح سے در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق کی ایک تصویر ہے امام احمد بن حنبل کی زندگی
آپکا مطالعہ وسیع گہرائی اور گیرائی کا حامل اپنے موضوع سے متعلق جدید و قدیم تمام معلومات
پر نظر ہے۔

نیز مسائل کے بارے میں متقدمین و متاخرین کی رائے اور حوالے جمع کتاب ہذا مصنف
اور مصنف درج فرماتے ہیں۔ اور ہذا کتاب اس دعوے کا بین ثبوت ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ اس کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں اسکے
بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاک دور میں اور پھر تابعین تبع تابعین
محدثین کرام اور علماء کے زمانوں میں جس طرح عمل اور ثبوت کے ساتھ تقلید کو ثابت
کیا گیا ہے اس کے بعد اگر جانے بھائی غیر مقلدین حضرات ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اور ضد
چھوڑ کر ایمانداری سنجیدگی اور ٹھنڈے دل سے غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ عدم تقلید
کے مفہوم میں بھٹکے رہیں۔

تقلید کے اقسام شرعی و غیر شرعی شخصی و غیر شخصی کو تاریخ وار بیان کر کے واضح کیا گیا
ہے کہ کس زمانے تک کس قسم کی تقلید رائج رہی ہو دوسرا رجحان کیوں اور کب شروع ہوا
ان تفصیلات کو پڑھ کر پوری معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔

کتاب کا انداز بیان نہایت سادہ اور عام فہم ہے کہیں کہیں منطقی پیرایہ بیان
ہے دلائل و شواہد کی ترتیب بھی منطقی انداز میں بہت مناسب ہے۔ مختصر یہ کہ تقلید کا

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کوئی چیز نہ تھی سوائے اللہ و رسول کے۔ اس لیے حضرت کے یہاں ہر قسم کے لوگ تھے غیر مقلد بھی وہابی بھی، بدعتی بھی اور سلسلہ میں داخل کرنے کے لیے اختلافیات میں سے کوئی شرط نہ تھی، فرمایا کرتے تھے یہاں سب ٹھیک ہو جاتے ہیں گے آنے دو اور یہ حالت خاص حضرت کے شایان شان تھی، دوسروں کو ایسا مناسب نہیں۔ ایک غیر مقلد کو بیعت فرمایا، دوسرے دن بعد ظہر کہ انھوں نے رفع یدین اور آمین بالجہر سب چھوڑ دی تو خوش نہیں ہوئے اور فرمایا بلا کر، وہ آئے تو فرمایا اور اگر تمہاری رائے میں حدیث کی ہو تو خیر ورنہ اگر میری وجہ سے ہوا ہو تو ترک سنت کا وبال اپنے اوپر لینا نہیں چاہتا، یہ بھی سنت ہے، وہ بھی سنت ہے" سبحان اللہ حدود کے اندر کیسی توسیع تھی اگر یہ شخص توسیع کرے تو وہ حدود ہی سے نکل جائے۔

(جمیل الکلام ص، ملفوظات ۲۳)

یہ واقعہ ہے بعض الفاظ ہر طرح کے تعصبات سے زیادہ دل نشین تو ہیں ہی، ضروری ہے یہی اتفاق صحیح ہے۔ ایسی حالت میں مرحوم مولف کے دلائل و عبارات کا تجزیہ بھی کیسے کیا جائے، اور ان کی محنت کی داد کن الفاظ میں دی جائے۔ ضرورت اسی کی ہے کہ اپنے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہ کر وسعت و رواداری کا جذبہ عام کیا جائے۔ علمائے دین کا ہمیشہ یہی شیوہ رہا ہے اور یہی حق ہے۔

اے کمال حسن کے دیوانے
ماورائے حسن بھی ہے اک بات

عتیق الرحمٰن عثمانی
ندوۃ المصنفین، جامع مسجد، دہلی ۶
۱۹ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ
مطابق ۳ نومبر ۱۹۷۷ء

پیش لفظ

از مولانا رشید الوحیدی القاسمی

ناظم شعبہ دینیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

۶۹ء

عبدالوہاب نجدی، قاضی شوکانی، داؤد ظاہری اور ابن حزم کے اثرات سے متاثر ہو کر ایک چھوٹی سی جماعت برابر تقلید کے خلاف مصروف کار رہی ہے اور اس جرأت مندانہ گستاخی کا اعلان کرتی رہی ہے کہ جلیل القدر ائمہ کرام کے مقابلہ میں قرآن و حدیث کو وہ لوگ زیادہ سمجھتے ہیں لہٰذا ان ائمہ کی بات نہ مانی جائے۔ ان کے عقل و فہم کے مقابلہ میں اپنے عقل و فہم پر، اہم عقل و فہم ہی پر ہر شخص بھروسہ کر کے قرآن و حدیث سے دین کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ ان کی اس ایک فکری اور تقلید کی حقانیت کی ایک کھلی ہوئی دلیل تو یہی ہے کہ ہر زمانہ میں سواد اعظم ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کا خصوصاً امام اعظم ہی کی تقلید کا نہ صرف قائل رہا ہے بلکہ اس پر عامل بھی ہے۔

عملی لحاظ سے تقلید کے ثبوت کیلئے قدیم و جدید مستند حوالوں کی کمی نہیں۔ پھر اسی طرح عدم تقلید کے خلاف نہ صرف علماء مقلدین بلکہ اکابر غیر مقلدین نے بھی عقلاً و نقلاً بہت کچھ دلائل پیش کر دیئے ہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ کوئی وسیع المطالعہ صاحب علم و تحقیق ان حوالوں کو یکجا کر کے پیش کر دے تاکہ لوگوں کے سامنے مسئلہ کا ہر پہلو واضح ہو جائے۔ زیر نظر تصنیف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی مدظلہ کا وہ تحقیقی اور عالمانہ کارنامہ ہے جس میں یہ خوبی بدرجہ اتم نظر آتی ہے۔

غیر مقلدین حضرات ہندوستان میں عدم تقلید کی اشاعت اور اس نظریہ کے قیام کے عوامل اور اسباب بتانے میں ایک سبب یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نہ صرف خود غیر مقلد تھے بلکہ اس تحریک کے داعی اور مبلغ تھے۔ (دیکھو ترجمان دہلی اور جولائی) اس کتاب میں آپ کو اس غلط اور غلط ادعا کی قلعی کھلتی ہوئی ملے گی کہ یہ شاہ صاحب پر کس قدر عظیم بہتان اور ان کی خدمت حدیث کو عدم تقلید کا نام دیا گیا ہے بات صرف اتنی سی ہے کہ حدیث کے مقابلہ میں لوگ فقہ کی طرف زیادہ متوجہ تھے شاہ صاحب نے اس دور میں احادیث کو رائج کرنا چاہا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ نے فقہ ائمہ یا تقلید کا رد فرمایا۔

مولانا اثر تسبیری نے غیر مقلدین کی تحریروں اور تجربوں سے ثابت کر دکھایا ہے کہ عدم تقلید امت کیلئے کس قدر مضر اور تقلید کس قدر ضروری ہے اس طرح موافق و مخالف علماء کے حوالے دے کر اس بحث کے مسئلہ کو اور بھی واضح کر دیا ہے اور اس قدر معلومات سے فاضل مصنف کا تجربہ بھی سامنے آ جاتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی مدظلہ ایک طرف قرآن و حدیث کے علوم پر کامل عبور رکھتے ہیں آپ کی تصنیف انوار التنزیل قرآنی مطالعہ کے صرف ایک پہلو کی تصویر ہے۔ علم تصوف کے ذوق نے آپ کو صرف تلمذ کے طور پر نہیں بخشا ہے بلکہ اس میدان کے ابر کار روحانی شیخ طریقت حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے مستند اور خلیفہ بھی ہیں آپ کو تصوف کی تاریخ پر بھی اچھا ملکہ ہے آپ کی کتاب مقامات تصوف قابل مطالعہ ہے۔

آپ علماء مجاہدین کی صف میں آتے ہیں۔ ہندوستان کے افق سیاست پر سالہا سال نمایاں رہے ہیں کافی عرصہ جیل کی سختیاں برداشت کیں اور یہ سب اپنے ملک پر غیروں کے تسلط کے خلاف کیا اور جب اس غیر کا بوریا بستر بند ہو گیا ہندوستان

آزاد ہو گیا۔ جنگ آزادی کے انعام کا وقت آیا تو ایک گروہ کا انعام یہی ہے کہ میدان سے
الگ ہو کر آپ سیاست سے کنارہ کش ہو کر پھر تعلیم و تصنیف کے دامن میں واپس آگئے
اور برابر اسی مبارک مشغلے میں مصروف رہے۔ ہندوستان کے مختلف بڑے بڑے اضلاع میں
میں قرآن و حدیث کا درس دیا اپنے بزرگوں کے قدم بقدم حدیث اور قرآن کی خدمات
خدمت کے ساتھ فقہ کی حدیث سے وابستہ ہے جس کی ایک مثال یہ تصنیف ہے جس
طرح سے وہ کے جام شریعت و کے سندان عشق کی ایک تصویر مولانا اسمٰعیل کی زندگی ہے
آپکا مطالعہ وسیع گہرائی اور گیرائی کا حامل اپنے موضوع سے متعلق جدید و قدیم تمام مصنوعات
پر نظر ہے۔

چند مسائل کے بارے میں متقدمین و متاخرین کی رائے اور حوالے صحیح کتاب، صفحہ
اور مصنف درج کرتے ہیں۔ اہل علم کو اب اس دعوے کا یہی ثبوت ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ اس کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت عہد میں اسکے
بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاک دور میں اور پھر بتدریج تابعین، تبع تابعین
علمائے کرام، ائمہ عظام کے زمانوں میں جس طرح دلیل اور ثبوت کے ساتھ تقلید کو ثابت
کیا گیا ہے اس کے بعد کسی بھائی غیر مقلدین حضرات بشرط دعوی کا کوئی حق اور عصبہ
کو چھوڑ کر اور اعتدال سنجیدگی اور سنت سے دل سے غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ عدم تقلید
کے عقیدہ پر قائم رہیں۔

تقلید کے اقسام شرعی و غیر شرعی شخصی و غیر شخصی کی تاریخ اور بیان کر کے واضح کیا گیا
ہے کہ کس زمانہ تک کس قسم کی تقلید رائج رہی پھر دوسرا رجحان کیوں اور کب شروع ہوا
ان تفصیلوں کو پڑھ کر پوری معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔

کتاب کا انداز بیان نہایت سادہ اور عام فہم ہے کہیں کہیں منطقی پیرایہ بیان
ہے۔ عنوانات کی ترتیب کا لحاظ بہت مناسب ہے۔ مثلاً شروع میں تقلید کا

مقصد حقیقت، ضرورت جو علم کا موضوع ہے، رکھا اس کے بعد جو غیر مقلدین حضرات
کا اصل نشانہ حضرت امام ابو حنیفہ ہیں اور ان پر عدم حدیث کا الزام ہے اس لئے امام
صاحب کی عظمت حدیث کی گئی ہے اور پھر ترتیب وار ساری کتاب ذیلی عنوانات
پر مشتمل ہے اور آخر میں شبہات پھر ان کے جوابات دے کر مسئلہ کی جزئیات کو اور بھی منقح
کر دیا ہے۔

بڑے بڑے محدثین کرام جن کی ایک بڑی فہرست مولانا سنبھلی صاحب نے دی ہے
اور ثابت کیا ہے کہ یہ حضرات بھی کسی نہ کسی امام کے مقلد اور ان کی طرف منسوب ہو کر
مشہور ہوئے ہیں تو پھر خود کو اہل حدیث کہنے والے کیا ان محدثین کرام سے بڑھ گئے ہیں پھر
ان میں رفتار عصر سے ہی تقلید محض ہو رہا کیوں ہے۔

غرض یہ کتاب بہت سے شبہات کا شافی علاج اور بہت سی غیر مقلدین حضرات
کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا مداوا ہے بشرطیکہ غیر جانبدار ہو کر خلوص سے اس کا
مطالعہ کیا جائے۔

ایسی علمی کتاب پر قلم اٹھانا مجھ جیسے طالب علم کیلئے مشکل کام تھا مگر محض مصنف
کے حکم کی تعمیل کے طور پر مسودہ پڑھ کر کتاب کو حرفاً حرفاً پڑھا اور اس بڑی ذمہ داری سے
عہدہ برآ ہونے کیلئے مزید مطالعہ کر کے ٹوٹے پھوٹے یہ تاثرات پیش کئے گئے ہیں۔ یہ واقعہ
ہے کہ کتاب کا مطالعہ نہایت خلوص اور غیر جانبداری سے کیا ہے۔ مطالعہ کے وقت
حضرت مولانا سنبھلی صاحب کے قلم سے تعلق و عقیدت کے پہلے ہی نظر انداز ہو گئی کہ کسی طرح کا
خاص رجحان ذہن پر مسلط نہ ہو اس کے باوجود پوری کتاب کو ختم کرتے کرتے تقلید کی
ضرورت کو ماننا پڑا اور یقین ہو گیا کہ مصنف آزادی ذہن اور جدید عدم تقلید
کی تفاصیل ہے اس خیال پر ایمان لانا پڑا۔ اس طرح صرف ایک جگہ کے علاوہ کتاب
کے انداز بیان اور طرز تفہیم پر کہیں کوئی گرفت نہیں ہوا اور مسودہ پر یہ

علم ہے بارہویں صدی ہجری میں جا بجا کچھ ایسے لوگوں نے نشو و نما پائی جو ائمہ اربعہ کی تقلید کو بے اصل سمجھنے لگے۔ اس بحث کے سیاق و سباق کو بار بار دیکھنے کے باوجود تقلید کو بے اصل سمجھنے لگے۔ اس موقع پر جو ذہن میں یہ کیوں ایسا ہوا، کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جواب نہیں ملا۔

الٰہی ساری کتاب آئینہ کی طرح واضح اور روشن ہے۔

شاید اللہ پاک ان چند سطور کے بدلے میں اخلاق حق کے اس جہاد عظیم میں مجھے بھی شریک فرمالے۔ ائمہ کرام اور محدثین عظام کی روح مجھ سے راضی ہو جائے کہ وہی تو سید سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و جوان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا کیونکہ جس سے اللہ کا رسول راضی ہو اس سے اللہ راضی ہو گیا۔

رشید الوحیدی
جامعہ کالج جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی

۱۷ اگست ۱۹۷۵ء

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ہدانا الدین القویم وفصل لنا فی کتابہ احکام التحلیل والتحریم وبعث الینا رسولاً یزکینا ویعلمنا الحکمۃ والکتاب ویبعدنا عن الخطاء ویہدینا الی الصواب ۔

اللّٰہم فصل وسلم علیہ صلوٰۃ تجازی عناءہ وتکافی غناءہ وعلی اھل بیتہ وصحبہ وائمۃ دینہ الذین ھم مصابیح الہدی وینابیع التقی فمن اقتدی بایہم بعد اختلاف مسالکہم اہتدی ومن اتخذ رای نفسہ واتبع ھواہ فقد غوی ۔ اما بعد ۔

ائمہ دین اور اساطین امت کی تقلید یعنی مسائل جزئیہ اجتہادیہ میں ان پر اعتماد کر کے بغیر طلب دلیل ان کے قول کو تسلیم کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا مذہب اسلام کا نہایت اہم اور ضروری مسئلہ ہے ۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور آغاز اسلام سے اس کی ضرورت اس درجہ تسلیم کی گئی کہ زمانۂ نبوت سے دوسری صدی کے اواخر تک تقلید بصورت شخصی عام مسلمانوں میں

رائج ہو چکی تھی اور تیسری صدی کے آتے آتے تقلید شخصی اور غیر شخصی دونوں کا رواج
ہو چکا تھا اور پھر چوتھی صدی کے آخر میں تمام مسلمانوں میں تقلید شخصی پر اتفاق اور
اجماع ہو گیا اور آج تک اس کا رواج امت محمدیہ میں برابر بدستور چلا آ رہا ہے۔

فرقہ اہل حدیث کی طرف سے اس سنت قدیمہ کا انکار کیا جاتا ہے اور
بھولے بھالے ناواقف مسلمانوں کو ائمہ مجتہدین کی تقلید سے روک کر ان کو
گمراہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نیز تقلید ائمہ پر طرح طرح کے لچر اور بودے
اعتراضات کر کے عام مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں پھنسانے کی سعی کی جاتی
ہے۔ ساتھ ہی ائمہ دین کی شان میں عموماً اور امام ابو حنیفہؒ کی شان میں
خصوصاً انتہائی گستاخانہ اور توہین آمیز الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

فرقہ اپنے آپ کو اہل حدیث اور موحد کے خوشنما القاب سے مزین کر کے
آزاد روی کو اختیار کر کے احادیث صحیحہ نبویہ سے محروم اور توحید سے خالی ہیں حالانکہ ائمہ کرام
اپنے اپنے زمانہ میں آفتاب ہدایت و تقویٰ اور علوم دینیہ، حدیث و تفسیر
اور فقہ و کلام کے روشن چراغ اور امت اسلامیہ کے درخشاں ستارے تھے۔
اور ان ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل
رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید شخصی پر چوتھی صدی کے بعد سے تمام امت مسلمہ کا اجماع
اور اتفاق رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جن کو غیر مقلدین حضرات
بھی اپنا بزرگ تسلیم کرتے ہیں اور جن کے بارے میں جناب نواب صدیق حسن
خاں صاحب بھوپالی نے اپنی کتاب "تقصار جیود الاحرار" میں مجدد العصر اور مجتہد
دین لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:-

هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة	تمام امت محمدیہ یا اس کے معتد بہ حضرات
قد اجتمعت الامة او من يعتد بها	کا آج تک اس پر اتفاق اور اجماع

منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا، وفي ذلك من المصالح ما لا يخفى لاسيما في هذه الايام التي قصرت فيها الهمم جدا واشربت النفوس الهوى واعجب كل ذي رأي برأيه وما ذهب اليه ابن حزم ان التقليد حرام فغلط.
(حجة الله البالغة ص ۱۲۳ ج مصري)

رہا یہ کہ ان مذاہب اربعہ مدونہ کی تقلید کرنا درست اور مبنی بر مصالح ہے۔ خصوصاً فی زمانہ کہ لوگوں کی ہمتیں قاصر ہو گئی ہیں اور رگ و ریشہ میں ہوائے نفسانی بھر گئی ہیں اور ہر شخص کو اپنی رائے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور ابن حزم کا یہ زعم اور خیال کہ تقلید حرام ہے غلط ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:—

اعلم ان في الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفي الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة.
(عقد الجيد ص ۳۱)

جاننا چاہیے کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان سب سے اعراض کرنے میں بڑا مفسدہ ہے۔

مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "صراط مستقیم" میں فرماتے ہیں:—

"در اعمال اتباع مذاہب اربعہ کہ رائج در تمام اہل اسلام است بہتر و خوب است"

یعنی اعمال کے سلسلہ میں چاروں مذاہب کی پیروی جو تمام مسلمانوں میں رائج ہے نہایت عمدہ اور پسندیدہ ہے۔ مولانا شاہ محمد اسحاق علیہ الرحمہ مائۃ مسائل میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:—

"ہرگز مقلدان ایشاں را یعنی مذاہب را گمراہ نتواں گفت زیرا کہ تقلید ایشاں

تقلید حدیث شریف است باعتبار ظاہر و باطن۔"

یعنی ائمہ اربعہ کے مقلدین کو ہرگز بدعتی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان ائمہ کی تقلید ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے حدیث شریف کی تقلید ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دین اسلام نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے قرآن مجید اور حدیث شریف کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اس کی تابعداری اور حفاظت ہر مسلمان کا اولین فریضہ ہے اور اس فرض کی ادائیگی کے لیے تمام ممکن اور مستحسن ذرائع کا عمل کرنا ضروری اور فریضہ محمود ہے۔

لہذا شر و فتن کے اس دور میں اور الحاد و زندقہ کے اس زمانہ میں مسائل فرعیہ اجتہادیہ میں خود رائی کو چھوڑ کر ائمہ مجتہدین کی تقلید اور تابعداری کرنے میں جس قدر دین کی حفاظت اور عمل کی پابندی ہے، ترک تقلید میں اس کا پاسنگ بھی نہیں۔

دراصل ائمہ مجتہدین کی تقلید کا مقصد بھی دین کی حفاظت اور قرآن و حدیث پر بسہولت عمل کرنا ہے (حضرت شاہ صاحبؒ کے قول کے موجب تقلید میں بہت سی مصلحتیں ہیں اور ترک تقلید میں بے انتہا مفاسد اور خرابیاں ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین علماء میں سے بھی بعض کو اس کا زبردست احساس ہوا ہے۔

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم جو کہ غیر مقلدین کے نہایت جوشیلے امام اور ترک تقلید کے زوردار حامی تھے اور ہندوستان میں غیر مقلدین کی نشر و اشاعت میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے وہ اپنے رسالہ "اشاعت السنۃ" نمبر ۲ جلد ۱۱ کے ص ۵۳ میں لکھتے ہیں کہ "غیر مجتہد مطلق کے لیے مجتہدین سے فرار و انکار کی گنجائش نہیں" اور جلد ۱۱ صفحہ ۵۳ ۱۸۸۸ء میں لکھتے ہیں کہ "۲۵ برس

کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلید مطلق کے تارک بن جاتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق و خروج تو آزادی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ ان فاسقوں میں بعض تو کھلم کھلا جمعہ، جماعت اور نماز و روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں، سود و شراب سے پرہیز نہیں کرتے اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی کے باعث فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسق خفی میں سرگرم رہتے ہیں، ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں۔

کفر و ارتداد اور فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دین داروں کے بے دین ہو جانے کا بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ وہ کم علمی کے باوجود تقلید چھوڑ بیٹھتے ہیں۔"

اسی طرح فرقہ اہل حدیث کے مجدد جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی اپنی جماعت اہل حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

فقد نبتت فی ھذہ الزمان فرقۃ ذات سمعۃ وریاء تدعی انفسہا علم الحدیث والقرآن والعمل والعرفان۔

(الحطۃ فی ذکر صحاح الستۃ ص ٦٧-٦٨)

یعنی اس زمانہ میں ایک فرقہ شہرت پسند ریاکار ظہور پذیر ہوا ہے جو باوجود ہر طرح کی خامی کے اپنے لیے قرآن و حدیث پر علم و عمل کا مدعی ہے حالانکہ اس کو علم و عمل اور معرفت کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں۔

اسی مضمون کے ذیل میں لکھتے ہیں:-

ومن العجب انهم يسمّون انفسهم الموحدين المخلصين و
غيرهم بالمشركين وهم اشد الناس تعصبا وغلوا في
الدين۔

یعنی بڑے تعجب کی بات ہے کہ غیر مقلدین کیونکر خود کو خالص موحد کہتے ہیں اور مقلدین کو (تقلید ائمہ کی وجہ سے) مشرک اور بدعتی قرار دیتے ہیں حالانکہ غیر مقلدین خود تو تمام لوگوں میں سخت متعصب اور غالی ہیں ۔ پھر اسی مضمون کے ختم پر لکھتے ہیں:-

فما هذا دين الا فتنة في الارض وفساد كبير۔

یعنی یہ طریقہ (جو غیر مقلدین کا ہے) کوئی دین نہیں، یہ تو زمین میں فتنہ اور فساد عظیم ہے۔

قاضی عبدالاحد صاحب خانپوری مرحوم (اہل حدیث) اپنی کتاب "التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ (الملقب به) اظہار کفر ثناء اللہ بجمیع اصول آمنت باللہ" کے ص ۲۲ پر فرماتے ہیں:-

پس اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ماجاء به الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں شیعہ وروافض کے وارث وخلیفہ ہوئے ہیں۔ جس طرح شیعہ لاحدہ و زنادقہ نیز منافقین کی حمایت کے لیے باب و دہلیز اور مدخل رہے۔ ان کا حال بھی بالکل اہل تشیع جیسا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کرکے حضرت علیؓ اور حضرت حسنینؓ کی غلو کے ساتھ تعریف کرکے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیتے ہیں اور پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلائیں کچھ پروا نہیں۔ اسی طرح ان جاہل بدعتی اور

کاش اہل حدیثوں میں ایک مرتبہ رفع یدین کرلیں، تقلید کا رد کردیں، اسلاف کی توہین کرلیں، نیز امام ابو حنیفہ کی جن کی امامت فقہ کے اندر اجماع سے ثابت ہے اہانت کردیں اور پھر جس قدر کفر، بد اعتقادی اور الحاد و زندقہ ان میں پھیلادیں وہ بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ذرا بھی نہیں جھجکتے اور علماء و فقہاء اہل سنت چاہے ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ان کی بات بالکل نہیں سنتے۔ سبحان اللہ اشبہ اللیل بالبارحۃ! اور وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ وہ مذہب و عقائد اہل سنت والجماعت سے نکل کر اتباع سلف سے مستنکف اور متکبر ہوگئے ہیں۔ فافہم وتدبر

یہ بات نہایت صاف اور واضح ہے اور ہر ایک خاص و عام کو معلوم ہے کہ دنیا کے کسی بھی علم و فن میں علماء اور ماہرین کی تقلید لازماً کی جاتی ہے، کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ لیکن شیطان نے اہل اسلام کے اتحاد کی قوت کو پارہ پارہ کرنے اور ان میں زیادہ سے زیادہ تفرقہ پیدا کرنے کے لیے جو طرح طرح کے حربے اختیار کر رکھے ہیں، ان میں ایک حربہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں ہی کے ایک گروہ کو تقلید کی مخالفت اور تقلید کرنے والوں کی مذمت پر لگادے اور جس چیز کے بغیر دنیا میں چارہ ہی نہیں ہے اسی کو ایک برائی، ایک گمراہی اور ایک غلطی قرار دیکر یہ گروہ نفرت اور اختلاف کی خلیج کو وسعت دے۔

ہندوستان کے بعض علاقوں میں تو یہ افسوسناک فتنہ بہت ہی زیادہ ہے اور غیر مقلد حضرات یہاں مقلدوں کے خلاف عموماً اور احناف کے خلاف خصوصاً نہایت متشددانہ رویہ اور بہت سخت روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔

اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس موضوع پر ایک رسالہ ہدیۂ ناظرین کیا جائے تاکہ غیر مقلدوں کے تمام اعتراضات کا مدلل جواب ہو جائے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر جو طعن و تشنیع اور جرح کی جاتی ہے اس کی حقیقت منکشف ہو جائے اور عام مسلمان ان غیر مقلدین کے مغالطہ اور دھوکہ سے محفوظ رہیں۔

ہم اس مختصر رسالہ میں اولاً تقلید کا مقصد، اس کی حقیقت اور ضرورت پر روشنی ڈالیں گے اور پھر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے علمی و عملی فضائل اور ان کی خصوصیات کو بیان کریں گے اور اخیر میں امام صاحب پر مخالفین کی جانب سے جو جرحیں نقل کی جاتی ہیں ان کا مفصل و مدلل جواب لکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے، اور یہ رسالہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے لیے مفید اور رہنما ثابت ہو۔

آمین ثم آمین!

محمد اسمٰعیل سنبھلی

مقصدِ تقلید اور اس کی حقیقت

دینِ اسلام کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے احکامِ الٰہی کی ترجمانی فرمائی ہے کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی حرام، کیا جائز ہے اور کیا ناجائز اس لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری بھی ضروری ہے، لہٰذا شریعت کے تمام معاملات میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ضروری ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ صرف قرآن و سنت کی تابعداری کرے جو شخص رسول کی بجائے کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو اس کو مستقل بالذات مطاع سمجھتا ہو وہ یقیناً دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن و سنت کے احکام کی اطاعت کرے۔ لیکن قرآن و سنت میں بعض احکام تو وہ ہیں جنہیں ہر معمولی پڑھا لکھا آدمی سمجھ سکتا ہے۔ ان میں کوئی اجمال ابہام یا تعارض نہیں، جو شخص بھی انہیں دیکھے گا وہ سمجھ لے گا اور اسے کوئی الجھن پیش نہیں آئے گی۔

اس کے برعکس قرآن و سنت میں بہت سے احکام وہ ہیں جن میں کسی قدر ابہام یا اجمال ہے، اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ قرآن کی کسی دوسری آیت یا کسی دوسری حدیث سے متعارض ہیں۔ ایسے مواقع پر قرآن و حدیث سے احکام کا استنباط

کو نہایت دقت طلب اور دشوار ہے۔

اب دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہم اپنے ناقص علم، کوتاہ فہم اور نام نہاد بصیرت پر اعتماد کر کے اس قسم کے معاملات میں خود کوئی فیصلہ کر لیں اور اس پر عمل کریں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں از خود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے ہم یہ دیکھیں کہ قرآن و سنت کے ان ارشادات سے ہمارے جلیل القدر اسلاف نے کیا سمجھا ہے۔ قرون اولیٰ کے جن بزرگوں نے اپنی پوری پوری عمریں صرف کر کے مسائل کا استنباط کیا ان میں سے جنھیں ہم علوم قرآن و حدیث کا زیادہ ماہر دیکھیں ان کے فہم و بصیرت پر اعتماد کریں اور انھوں نے جو کچھ سمجھا ہے اس کے مطابق عمل کریں۔ غائر نظر سے دیکھنے کے بعد اس بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ ان دونوں صورتوں میں پہلی صورت ہر ذی ہوش کے نزدیک نہایت خطرناک ہے اور دوسری صورت بہت محتاط۔

اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ علم و فہم، ذکاوت و حافظہ، دین و دیانت، تقویٰ اور پرہیزگاری ہر اعتبار سے ہم اس قدر تہی دست ہیں کہ قرون اولیٰ کے علماء سے ہماری کوئی نسبت نہیں۔ پھر جس مبارک دور اور مقدس ماحول میں قرآن نازل ہوا تھا، قرون اولیٰ کے علماء اس سے بھی قریب تر تھے اور اس قرب زمانی اور صحابہ و تابعین سے استفادہ کی بنا پر ان کے لیے قرآن و سنت کی مراد کو سمجھنا زیادہ سہل اور آسان تھا۔ اس کے برخلاف ہم عہد رسالت سے اتنی دور جا پڑے کہ ہمارے لیے اس زمانہ کے طرز معاشرت اور طرز گفتگو کا جیسا کہ چاہیے تصور بھی نہایت مشکل اور دشوار ہے کیونکہ کسی شخص یا کسی دور کی بات سمجھنے کے لیے اس کے پورے پس منظر کا سامنے ہونا ضروری ہوتا ہے۔

ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اگر ہم اپنے فہم پر اعتماد کرنے کی بجائے مختلف التعبیر اور پیچیدہ معاملات میں اس مطلب کو درست قرار دیں جو ہمارے اسلاف میں سے کسی ممتاز عالم نے سمجھا ہے تو کہا جائے گا کہ ہم نے فلاں آدمی کی تقلید کی۔

ہماری اس تقریر سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ کسی امام یا مجتہد کی تقلید صرف اس موقع پر کی جاتی ہے جہاں قرآن و سنت سے کسی حکم کے سمجھنے میں اجمال و ابہام یا کسی تعارض کی وجہ سے کوئی الجھن یا دشواری ہو۔ اور جہاں اس قسم کی کوئی الجھن یا دشواری نہ ہو وہاں کسی امام اور مجتہد کی تقلید ضروری نہیں۔ نیز مذکورہ بالا گزارشات سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ کسی امام و مجتہد کی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ پیروی تو قرآن و سنت کی ہے، محض مراد سمجھنے کے لیے بحیثیت شارح قانون ان کی تشریح اور تعبیر پر اعتماد کیا گیا ہے۔

اب آپ بنظر انصاف غور کیجیے کہ اس عمل میں کونسی بات ایسی ہے جسے گناہ یا شرک کہا جائے۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی امام کو شارع کا درجہ دیکر اسے واجب الاتباع قرار دیتا ہو تو بلاشبہ اسے شرک کہا جا سکتا ہے۔ لیکن کسی کو شارح قانون قرار دے کر اپنے مقابلہ میں اس کی فہم و بصیرت پر اعتماد کرنا تو افلاس علم کے اس دور میں اس قدر ناگزیر ہے کہ اس سے کوئی مفر نہیں ۔۔۔ پس تقلید ائمہ مجتہدین کا اصل مقصد دین کی حفاظت اور قرآن و حدیث پر بسہولت عمل کرنا ہے۔ اور تقلید ائمہ اربعہ سراسر عمل بالقرآن والحدیث ہے۔

اجتہاد اور تقلید کی ضرورت

شریعت اسلامیہ میں فروعی اور جزئی مسائل دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ مسائل جن کا ثبوت

ایسی آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے صراحتاً ہے جن میں بظاہر کوئی تعارض نہیں ہے اور ان مسائل پر ان کی دلالت قطعی ہے۔ اس قسم کے مسائل کو منصوص غیر متعارضہ کہتے ہیں اور ایسے مسائل میں اجتہاد کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی اور نہ مجتہد اس قسم کے مسائل میں اجتہاد کرتا ہے، کیونکہ مجتہد کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ حکم صراحتاً منصوص نہ ہو۔ جب ان مسائل میں اجتہاد کی گنجائش نہیں تو ان میں کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ایسے مسائل میں ان احکام پر عمل کیا جائے گا جو آیات و احادیث سے صراحتاً ثابت ہیں۔ دوسرے وہ مسائل جن کا ثبوت صراحتاً کسی آیت یا حدیث صحیحہ سے نہیں، یا ثبوت تو ہے مگر اس آیت یا حدیث میں متعدد معانی کا احتمال ہونے کی وجہ سے قطعی طور پر کسی ایک معنی پر محمول نہیں کیا جا سکتا، یا وہ کسی دوسری آیت یا حدیث سے بظاہر متعارض ہے۔ اس قسم کے مسائل کو اجتہادی غیر منصوصہ کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہوگی اور ان کا صحیح حکم مجتہد کے اجتہاد سے معلوم ہو سکے گا۔ اور یہی وہ مسائل ہیں جن میں غیر مجتہد کو تقلید کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔

اب چونکہ شریعت اسلامیہ کے تمام جزئی مسائل منصوص نہیں ہیں کہ ہر کس و ناکس ان کا صحیح حکم سمجھ سکے بلکہ بہت سے مسائل اجتہادی ہیں جن میں اجتہاد کی ضرورت ہے۔ پس اللہ جل شانہ نے اپنے فضل و کرم سے امت مرحومہ کے مخصوص افراد کو وہ ملکہ استنباط اور قوت اجتہاد عطا فرمائی ہے کہ وہ حضرات نصوص و احادیث میں غور و فکر کرکے ان جزئی مسائل کے احکام مستنبط کریں جن کا نصوص میں صراحتاً ذکر نہیں ہے اور عام لوگوں کے لیے عمل کی راہ سہل اور آسان کر دیں۔

حضرات صحابہ جن کو ہمہ وقت دربار نبوی میں حاضری کا شرف حاصل تھا

ان کو تو اس قوت اجتہاد سے کام لینے کی مطلق ضرورت نہ تھی کیونکہ ان کو دربارِ نبوی سے تمام مسائل معلوم ہو جاتے تھے۔ لیکن صحابہ کرام کی وہ جماعت جو مدینۃ الرسول سے باہر کسی مقام پر قیام پذیر تھی یا وہ لوگ جو بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہونے والے تھے ان کو اس قوتِ اجتہاد کی شدید ضرورت تھی کیونکہ ایسے مسائل اجتہادیہ میں شریعتِ اسلامیہ پر پورے طور پر عمل کرنا بغیر اجتہاد کے غیر ممکن تھا۔ پس حق تبارک و تعالیٰ نے خیر القرون میں بے شمار صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور من بعدہم کو اس دولتِ اجتہادیہ سے نوازا اور خود رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل رض کو یمن روانہ کرتے وقت صاف اور واضح الفاظ میں اجتہاد کی تحسین اور تصویب فرمائی ہے۔

عن معاذ بن جبل ان رسول الله صلے الله علیه وسلم لما بعثه الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لك قضاء؟ قال اقضی بکتاب الله، قال فان لم تجد فی کتاب الله؟ قال بسنة رسول الله. قال فان لم تجد فی سنة رسول الله قال اجتهد برائی ولا آلو. قال فضرب رسول الله صلے الله علیه وسلم فی صدره و قال الحمد لله الذی وفق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ ابن جبل رض کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا تو یہ پوچھا کہ اگر کوئی قضیہ پیش آجائے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کہ کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا کہ اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہو تو؟ عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ ملے؟ عرض کیا اس وقت اجتہاد و استنباط کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا اور تلاش میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ

رسول رسول الله لما يرضى به رسول الله ۔

(مشکوٰۃ شریف)

بحوالہ ابوداؤد، ترمذی، دارمی۔

آپ نے اس پر اظہار مسرت کرتے ہوئے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مارا کہ اللہ کا شکر ہے، اس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ کا رسول راضی اور خوش ہے۔

تنبیہ: غور فرمائیے کہ یہ واقعہ تقلید اور اجتہاد دونوں مسئلوں کے لیے شمع ہدایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے لیے اپنے فقہاء صحابہ میں سے صرف ایک جلیل القدر صحابی کو بھیجا اور انہیں حاکم و قاضی، معلم و مجتہد بنا کر اہل یمن پر لازم کر دیا کہ وہ ان کی تابعداری کریں۔ انہیں صرف قرآن و سنت ہی نہیں بلکہ قیاس و اجتہاد کے مطابق بھی فتوی صادر کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ نے اہل یمن کو ان کی تقلید شخصی کی اجازت دی بلکہ اس کو ان کے لیے لازم فرمایا۔

الغرض رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی و منشا کے مطابق حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور پھر ائمہ مجتہدین نے مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کے ذریعہ احکام شریعت ظاہر فرمانے کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اور جن لوگوں میں اجتہاد کی قوت نہ تھی انہوں نے یہ سمجھ کر کہ حضرات مجتہدین علم و فہم اور تقویٰ و دیانت میں ہم سے کہیں زیادہ فائق اور مقبول بارگاہ الٰہی ہیں۔ نیز ان حضرات صحابہ و تابعین اور مجتہدین نے اپنے اجتہاد کے ذریعہ جو کچھ دریافت کیا ہے وہ درحقیقت یا تو رسول اللہ صلعم کی احادیث ہیں جو بطریق موقوف بغیر اسناد کے ذکر کی گئی ہیں، یا ان کے وہ استنباطات ہیں جو درحقیقت نصوص سے لیے گئے ہیں۔ بہرصورت وہ قابل اتباع اور لائق تسلیم ہیں، ان

مجتہدانہ پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

ویستدل باقوال الصحابة والتابعین علمًا منهم انها احادیث منقول عن رسول الله صلے الله علیه وسلم موقوفة (الی ان قال) او یکون استنباطا منهم من النصوص او اجتهادا منهم بآرائهم وهم احسن صنیعا فی کل ذالك ممن یجیئ بعدهم واکثر اصابة واقدم زمانا واوعی علما فتعین العمل بها۔

(انصاف) ص۲۱۳۔

اور اہل طریقہ یعنی متبع تابعین اصحاب اور تابعین کے اقوال سے استدلال کیا کرتے تھے کہ یہ اقوال یا تو احادیث نبویہ ہیں کہ ان کو مختصر کر کے موقوفا بیان کر دیا گیا ہے۔ اور یا یہ اقوال صحابہ و تابعین منصوص حکم سے خود ان کے استنباطات ہیں یا ان کی رایوں سے بطور اجتہاد لیے گئے ہیں اور حضرات صحابہ و تابعین ان جملہ امور میں ان لوگوں سے بہتر ہیں جو ان کے بعد ہوئے وہ بیان صواب میں زیادہ اور زمانہ کے اعتبار سے اقدم اور باعتبار علم سب سے بڑھ کر ہیں۔ اسی لیے ان کے اقوال پر عمل کرنا متعین ہوا۔

اسلاف پر اعتماد کرنا دین کی بنیاد ہے

اپنے پیش روؤں پر اعتماد اور اعتبار کرنا اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا اللہ تعالے کی وہ نعمت عظمٰی ہے اور وہ دولت بے بہا ہے کہ ہمارے تمام دینی و دنیوی کاروبار اسی کی بدولت چل رہے ہیں۔ علوم و فنون کی گرم بازاری اور تاریخ و حکمت کا یہ پھیلاؤ، بڑے بڑے کارخانے و لائبریریاں جو علوم و فنون کے خزانے ہیں

یہ سب اعتبار و اعتماد ہی کے ثمرات ہیں۔ اگر اخلاف اپنے اسلاف پر اعتماد نہ کرتے
تو ہمارے پاس کچھ بھی نہ ہوتا اور ہم وحشیوں کی طرح دنیا کے جنگل میں مارے مارے ①
پھرتے اور انسانی زندگی کی خصوصیات اور علمی و فنی امتیازات سے یکسر خالی ہوتے
اسی فطری اصول کے مطابق ہر دور کے مسلمانوں میں اللہ کے نیک اور صالح
بندوں اور ائمہ ہدیٰ پر اعتماد و حسن ظن رہا ہے اگر یہ نہ ہوتا تو آج ہماری نظر
میں جو کچھ دین اسلام کے نشانات پائے جاتے ہیں یہ کچھ بھی نہ رہتے۔ درحقیقت
اعتماد اور اعتبار ہی وہ چیز ہے جو تمام شریعت کی جڑ اور بنیاد ہے۔

حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔ ②

ان الامة اجتمعت على ان يعتمدوا	معروف سنت ہیں تمام امت نے بالاتفاق
على السلف في معرفة الشريعة	سلف گذشتہ پر اعتماد اور اعتبار کیا
فالتابعون اعتمدوا في ذلك	ہے۔ چنانچہ تابعین نے صحابہ پر اعتماد
على الصحابة وتبع التابعين اعتمدوا	کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر اسی
على التابعين وهكذا في كل	طرح ہر ہر طبقہ میں پچھلے علماء پہلوں پر
طبقة اعتمد العلماء على من	اعتماد و اعتبار کرتے چلے آتے ہیں۔ نیز
قبلهم والعقل يدل على حسن ذلك	عقل سلیم بھی اسی کو تسلیم کرتی ہے۔ کیونکہ
لان الشريعة لا تعرف الا بالنقل	شریعت بغیر نقل اور استنباط کے معلوم
والاستنباط والنقل لا يستقيم	نہیں ہو سکتی۔ اور نقل اسی طرح ٹھیک اور
الا بان تأخذ كل طبقة عمن قبلها	درست ہو سکتی ہے کہ ہر طبقہ پر پچھلے لوگ
بالاتصال۔ (عقد الجید ص۔)	پہلوں سے بالاتفاق لیتے رہے ہیں۔

تقلید کی تعریف

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ شریعت اسلامیہ کی تمام تر بنیاد اسلاف کے اعتماد اور اعتبار پر ہے تو

اس حقیقت کا سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ تقلید کے معنی اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ کسی شخص کا کسی ذی علم بزرگ اور مقتدائے دین کے قول و عمل کو محض حسن ظن اور اعتماد کی بنا پر شریعت کا حکم سمجھ کر اس پر عمل کرنا اور عمل کرنے کے لیے اس مجتہد اعتماد کی بنیاد پر دلیل کا انتظار نہ کرنا اور دلیل معلوم ہونے تک عمل کو ملتوی نہ کرنا اصطلاح میں تقلید کہلاتا ہے۔

(۱) مولانا قاضی محمد علی تھانوی اپنی مشہور کتاب "کشاف اصطلاحات الفنون" مطبوعہ کلکتہ صفحہ [illegible] میں بعض شروح حسامی سے نقل کرتے ہیں:۔

التقليد اتباع الانسان غيره فيما يقول او يفعل معتقدا للحقية من غير نظر الى الدليل كان هذا المتبع جعل قول الغير او فعله قلادة في عنقه من غير مطالبة دليل۔

ترجمہ: تقلید کے اصطلاحی معنی ہوئے کسی آدمی کا دوسرے کے قول یا فعل کو بلا دلیل طلب کیے ہوئے اپنے گلے کا ہار بنا لینا۔ ایسی تابعداری جس کی بنا دلیل کے غور کرنے پر نہ ہو گویا کہ اس تابعداری کرنے والے (مقلد) نے دوسرے کے قول یا فعل کو اپنے گلے کا ہار بنا لیا ہے بلا دلیل طلب کیے۔

(۲) علامہ ابن ملک اور علامہ ابن العینی شرح منار مصری کے صفحہ [illegible] میں فرماتے ہیں:۔

وهو عبارة عن اتباعه في قوله او فعله للحقية من غير تأمل في الدليل۔

یعنی تقلید حسن عقیدت کے ساتھ کسی کے قول یا فعل کے اتباع کرنے کو کہتے ہیں بغیر دلیل کی فکر میں پڑے ہوئے۔

(۳) "شامی شرح حسامی" مطبوعہ مجتبائی ص ۹۱ میں ہے:

التقلید اتباع الغیر علی ظن انه محق بلا نظر الدلیل۔

یعنی دوسرے کو اہل حق خیال کرتے ہوئے اس کی دلیل کی فکر میں پڑے بغیر اس کی تابعداری کر لینا تقلید ہے۔

مذکورہ بالا جملہ تعریفات کا حاصل صرف یہ ہے کہ مقلد مجتہد کے قول و عمل کو دریافت کر کے محض حسن عقیدت اور حسن ظن کی بنا پر عمل کرے اور اپنے اس تسلیم و عمل کے لیے مجتہد کے اجتہاد میں دلیل کی فکر نہ کرے اور نہ اس سے دلیل کا مطالبہ کرے۔ اگر بعد میں مقلد کو مجتہد کی دلیل کا علم ہو گیا، یا اپنے ذاتی علم، مطالعہ اور تجسس و تفحص سے اس مسئلہ کے متعلق بہت سے دلائل دریافت ہو گئے تو یہ امر ہرگز تقلید کے منافی نہیں ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ لفظ تقلید اور اتباع مقلدین کے نزدیک مترادف اور ہم معنی ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ "سبیل الرشاد" میں تحریر فرماتے ہیں: "اتباع اور تقلید کے معنی واحد ہیں۔"

لہذا جن لوگوں نے اتباع اور تقلید میں فرق کیا ہے وہ ہم پر حجت نہیں

لا مناقشة فی الاصطلاح۔

تنبیہ: تقلید کی اصطلاحی تعریف اور اس کے مفہوم میں اگرچہ یہ بات شامل ہے کہ تسلیم اور عمل کے وقت دلیل کا مطالبہ نہ کیا جائے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ مقلد کو دلیل کا علم ہی نہ ہو۔ لہذا غیر مقلدوں کا یہ کہنا کہ تقلید جہالت کو مستلزم ہے کیونکہ تقلید کے مفہوم میں عدم معرفت دلیل داخل ہے یا ان کا یہ اعتراض کہ ہدایہ جیسی کتاب کے پڑھنے پڑھانے والے مقلد نہیں

رد سکتے" سراسر جہل اور غلط ہے۔ کیونکہ تقلید معرفت دلیل کے ہرگز منافی نہیں ہے۔ لہذا کوئی مقلد مسائل جزئیہ فقہیہ کے دلائل جان لینے یا ہدایہ جیسی مدلل کتاب کے پڑھنے اور پڑھانے سے ہرگز ہرگز تقلید سے باہر نہیں ہوتا۔

ہماری اس وضاحت کے بعد مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مرحوم کے ان اعتراضات اور اشکالات کا خاطر خواہ جواب ہو جاتا ہے۔ جو انھوں نے اپنے رسالہ تقلید شخصی و سلفی ص۱۵، ۲۲ اور رسالہ فقہ و فقیہ ص۱۱، ۱۲ اور ص۳۶، ۳۷ اور رسالہ اجتہاد و تقلید ص۲۷، ۲۸ وغیرہ میں وارد کیے ہیں۔ کیونکہ ان کے تمام اعتراضات اور اشکالات کا مشترک حاصل یہ ہے کہ انھوں نے تقلید کو معرفت دلیل کے منافی سمجھ لیا ہے۔ ہماری طرف سے ان کا مشترک جواب یہ ہے کہ تقلید کی مذکورہ بالا تعریف میں لفظ "الدلیل" سے مراد خاص وہ دلیل ہے جس کو مجتہد نے پیش نظر رکھ کر اجتہاد کیا ہے۔ علمی زبان میں اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ "الدلیل" پر الف و لام عہد کا ہے۔ اور لفظ "من غیر نظر الی الدلیل" اور "من غیر تأمل فی الدلیل" من غیر مطالبۃ الدلیل ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ مقلد کا بوقت اتباع مجتہد سے دلیل خاص کی طلب اور تحقیق نہ کرنا بلکہ اس کے قول کو محض حسن ظن اور اعتماد کی بنا پر ماننا اور اس کی تابعداری کر لینا تقلید ہے۔ بعد میں چل کر مجتہد کی دلیل خاص یا دوسری دلیل کا بغیر مطالبہ مقلد کو معلوم ہو جانا یا دوسرے کسی عالم سے معلوم کر لینا یا اپنے ذاتی مطالعہ کتب کے ذریعہ، یا اپنی خداداد فہم و ذکاوت سے دلائل کا علم حاصل کر لینا یا عوام کو سمجھانے کے لیے مناظروں میں مدمقابل کی زبان بندی کیلئے دلائل کو بیان کرنا مفہوم تقلید کے قطعاً منافی نہیں۔ اور تقلید ہرگز مرتبہ جہل اور بے علمی کا نام نہیں۔ لا الجہم۔ ہاں تقلید کی مسلم الثبوت والی تعریف ا۔

"التقليد العمل بقول الغير من غير حجة"

سے وہم ہو سکتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس تعریف میں تعریفات سابقہ کے قرینے سے مضاف محذوف ہے۔ یعنی "من غیر مطالبة حجة" بغیر طلب دلیل دوسرے کی بات پر عمل کرنا۔

تقلید کا ثبوت

تقلید مطلق، جس کی تعریف اوپر بیان کی جا چکی ہے اس کی دو قسمیں ہیں:-

(۱) تقلید شخصی۔ یعنی ایک خاص مجتہد کی طرف جو مذہب اور مسلک منسوب ہو اس کے جملہ مسائل مفتیٰ بہا کو دلیل طلب کیے بغیر قبول کر لینا اور اس کو اپنے عمل کے لیے کافی سمجھنا۔ یہ مسائل مفتیٰ بہا اس امام مجتہد کے بھی ہو سکتے ہیں، اس کے شاگردوں کے بھی اور ان علماء کے بھی ہو سکتے ہیں جو اس امام مجتہد کے مقلد ہوں۔ بہر حال ان سب کا مجموعہ ایک مذہب معین کہلاتا ہے۔ مثلاً فقہ حنفی، مالکی وغیرہ۔

(۲) تقلید غیر شخصی، یہ ہے کہ مختلف مذاہب کے متعدد مجتہدین کے مسائل کو ان کی دلیل طلب کیے بغیر اپنا معمول بہا ٹھہرانا۔ یعنی کوئی مسئلہ کسی مجتہد کے مذہب کا لے کر عمل کر لینا اور ایک معین مجتہد کے مذہب کے تمام مسائل مفتیٰ بہا کا پابند نہ ہونا۔

تقلید کی ان دونوں قسموں کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک شخص براہ راست قرآن و سنت سے احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، وہ جسے قرآن و سنت کے علوم کا ماہر سمجھتا ہے اس کے فہم و بصیرت اور تفقہ پر اعتماد اور اس کی تشریحات کے مطابق عمل کرتا ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کا جواز بلکہ وجوب قرآن و سنت کے بہت سے دلائل سے ثابت ہے۔

ہم یہاں پر صرف ایک آیت قرآنی اور ایک حدیث نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم سے اس کا ثبوت پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

تقلید کے ثبوت میں آیت :-

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ	اے ایمان والو تم کہنا مانو اللہ کا
واطیعوا الرسول واولی الامر منکم	اور کہنا مانو پیغمبر اور اولوالامر کے
(سورۂ نساء پارہ ۵)	مجتہدین کا جو تم میں سے ہیں۔

اس آیت میں حق تعالیٰ وتبارک نے اولی الامر کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم فرمایا ہے۔ اولوالامر کون لوگ ہیں اسکی تفسیر بعض حضرات نے سلطان اور بادشاہ سے کی ہے، بعض نے شیخ طریقت سے اور بعض حضرات نے امام مجتہد سے فرمائی ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو اس میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے، یہ سب اولوالامر میں داخل ہیں۔ امر دو طرح کے ہوتے ہیں، دنیاوی اور دینی۔ پھر دنیاوی کی چند صورتیں ہیں :-

ملک کی سیاست کے اعتبار سے سلاطین اور بادشاہ اولوالامر ہیں، یعنی ملکی وحکومتی انتظامات میں سلطان کا حکم بجالانا ضروری ہے ورنہ دنیاوی معاملات میں سخت قسم کا انتشار پیدا ہوگا۔ اسی طرح تدبیر منزل یعنی گھریلو نظم ونسق کے اعتبار سے وہ لوگ جو گھر میں بڑے ہوں وہی اولوالامر ہیں۔ امور خانہ داری کی انجام دہی کے لیے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری ضروری ہے ورنہ گھر کا صحیح نظم قائم نہیں رہ سکتا وقس علیٰ ھذا۔

امور دینی کی بھی دو قسمیں ہیں، باطنی اور ظاہری۔ ظاہری کو شریعت بھی کہتے ہیں، باطنی کے اولوالامر شیوخ طریقت ہیں کہ سالکان طریقت کو ان کا

اتباع ضروری ہے۔ اور علم ظاہری یعنی علم شریعت کے اولو الامر ائمہ مجتہدین ہیں۔ جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے واقف اور استنباط مسائل پر قادر ہوتے ہیں۔ لہذا شریعت کے اولو الامر ائمہ مجتہدین ہوئے اور شرعی امور میں ان کی تابعداری لازم ہوئی۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ تابعداری اسی وقت تک ضروری ہوتی ہے جب تک کہ تابعداری کرنے والا متبوع کے درجہ تک نہ پہنچا ہو۔

اولو الامر کی اس وضاحت سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ آیت کریمہ سے یہ امر ثابت ہے کہ وہ مسلمان جو خود مجتہد نہیں ہیں ان کو کسی مجتہد کا علم بجا لانا واجب اور ضروری ہے۔

چونکہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم زمرۂ مجتہدین میں داخل ہیں، بلکہ بہت بڑے مجتہد ہیں اگر ان کا اتباع کیا جائے تو یہ بات اس آیت کریمہ سے بخوبی ثابت ہے۔ رہا یہ امر کہ حکم مجتہد روایت ہے یا درایت (اجتہاد) اور یہ بات کہ حسن ظن کی بنا پر مجتہد کا حکم مان لیا جائے یا اس سے دلیل بھی طلب کی جائے۔ سو اس کا فیصلہ بھی آیت کریمہ کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔ وہ اس طرح کہ اول درجہ میں خدا کی اطاعت کا حکم فرمایا گیا ہے اور دوسرے درجہ میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور تیسرے درجہ میں مجتہدین کے اقوال پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اب غور کیجئے کہ مجتہدین کی جو روایت قرآن و حدیث سے ہو گی وہ تو بعینہٖ پہلے دو حکموں میں داخل ہے اس کو علیحدہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ نیز روایت تو غیر مجتہدین کی بھی واجب الاتباع ہے بشرطیکہ وہ ثقہ ہوں۔ پھر اس میں مجتہدین کی تخصیص سے کیا فائدہ۔ پس تیسرے درجہ میں مجتہدین کی درایت یعنی مسائل اجتہادیہ کا واجب الاتباع ہونا متعین ہوا۔ اور اولو الامر کو بلا اعادہ

فرمایا اطیعوا الرسول پر عطف کرکے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بغیر مطالبہ دلیل محض حسن ظن کی بنا پر واجب ہے اسی طرح حضرات ائمہ مجتہدین کے مسائل اجتہادیہ کی تابعداری بھی بلا مطالبہ دلیل محض حسن ظن کی بنا پر واجب ہے البتہ دونوں جگہ حسن ظن کی وجہ مختلف ہوگی۔

پہلی جگہ، اس کی وجہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہے جس کی اطاعت واجب قطعی ہے۔ اور دوسری جگہ حسن ظن کی وجہ ائمہ مجتہدین کا تفقہ اور اجتہاد مجوّ ہے جس کی اطاعت واجب ظنی ہے اور مجتہدین کی ایسی اطاعت کہ جس کی بنیاد حسن ظن پر ہو وہی تقلید ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ میں غیر مجتہدین کو اجتہادی مسائل میں حضرات مجتہدین کی تقلید کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اور یہ حکم ہر دو تقلید شخصی وغیر شخصی دونوں کے وجوب کو شامل ہے۔ کیونکہ اولی الامر میں اضافت جنسی ہے جو ایک اور ایک سے زیادہ مجتہدین کو برابر شامل ہے۔

تقلید کے ثبوت میں حدیث:۔

عن حذیفۃ ؓ قال قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم فاقتدوا بالذین بعدی واشار الی ابی بکرؓ و عمرؓ۔
(اخرجہ الترمذی)

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ تم لوگوں میں کب تک زندہ رہوں گا سو تم لوگ ان دونوں شخصوں کی اقتداء کرنا جو میرے بعد ہوں گے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔

ظاہر ہے کہ "من بعدی" سے ان دونوں حضرات کا زمانۂ خلافت مراد ہے
اور مطلب یہ ہے کہ ان کے خلیفہ ہونے کی حالت میں ان کا اتباع کرنا، اور
یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک وقت میں خلیفہ ایک ہی صاحب ہوں گے۔ لہٰذا ابو بکرؓ
کی خلافت میں ان کی پیروی کرنا اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت عمرؓ کی
تابعداری کرنا۔

پس ایک زمانہ خاص تک ایک معین شخص کے اتباع کا حکم فرمایا اور یہ
نہیں فرمایا کہ ان سے احکام اور مسائل کی دلیل بھی دریافت کر لیا کرنا۔ اور اسی
کو تقلید شخصی کہتے ہیں، جس کا ثبوت اس قولی حدیث سے بخوبی ہو گیا۔ نیز
اس حدیث میں "اقتدوا" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو انتظامی امور میں
استعمال نہیں ہوتا، اس کا مفہوم بعینہٖ وہی ہے جو تقلید کے ضمن میں بیان
کیا جا چکا ہے۔

تقلید کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ کا مسلک

اب ہم صحابہ کرام اور ما بعد کے دوروں میں تقلید کی تدریجی نوعیت کو بیان
کرنا چاہتے ہیں جس سے ناظرین کو پتہ چلے گا کہ تقلید غیر شخصی سے شخصی کیوں ضروری
ہوئی اور اس کا انحصار مذاہب اربعہ میں کب اور کیوں ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ نے تقلید کے مسئلہ پر بڑی بصیرت
افروز روشنی ڈالی ہے۔ اور چونکہ حضرات غیر مقلدین تقلید کی مخالفت کرتے ہوئے
اکثر و بیشتر (غلط طور پر) ان کے ہی کلام کو پیش کر کے عوام کو غلط فہمی میں مبتلا
کرتے ہیں اس لیے ہم اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ ہی نے اس مسئلہ کی جو
وضاحت فرمائی ہے اس کو بیان کیے دیتے ہیں۔

عہد صحابہؓ و تابعینؒ میں تقلید

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام کے عہد زریں میں رواج یہ تھا کہ جب کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا اور اس مسئلہ میں وہ خود کوئی فیصلہ نہ کر سکتا تو وہ کسی بھی صاحب بصیرت عالم کی طرف رجوع کرتا اور اس سے دریافت کر کے عمل کر لیتا تھا۔

لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابة الی ان ظهرت المذاهب الاربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکاره ولو کان ذالک باطلا لانکروه۔

(عقد الجید ص۳۲)

کیونکہ صحابہ کرام سے لیکر چار مذاہب کے ظہور تک یہی دستور اور رواج رہا کہ کوئی عالم مجتہد مل جاتا تو اسی کی تقلید کر لیتے تھے، کسی بھی معتبر آدمی نے اس پر نکیر نہیں کی، اگر یہ (تقلید) باطل ہوتی تو وہ حضرات اس پر ضرور نکیر فرماتے۔

تنبیہ: حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نزدیک مقلد کا اپنے امام کو تمام ائمہ پر فضیلت دینا تقلید امام کے لیے ضروری نہیں ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:-

ورد ان اعتقاد افضلیة الامام علی سائر الائمة غیر لازمة فی صحة التقلید اجماعا لان الصحابة والتابعین کانوا یعتقدون ان خیر هذه الامة ابوبکرؓ ثم عمرؓ

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تقلید کے صحیح ہونے میں یہ اعتقاد رکھنا بالاجماع ضروری نہیں ہے کہ میرا امام باقی اور ائمہ پر فضیلت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام اور تابعین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام امت میں افضل ترین ابوبکرؓ

كانوا مقلدين في كثير من المسائل بخلاف قولهما وتمذهب بمذهب ذالك البعض وكان اجماعا على ما قلناه (عقد الجید ص۳۳)

اور یہ امر ظاہر ہے، اس کے باوجود بہت سے مسائل میں ان دونوں حضرات کی رائے کے خلاف دوسرے صحابہ کی تقلید کرتے تھے اور اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا، لہذا یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

صحابہ کرام اور تابعین کا زمانہ چونکہ زمانۂ نبوت سے قریب تر تھا اس وجہ سے وہ بہر حال خیر و برکت کا اور خلوص و للّٰہیت کا زمانہ تھا اس میں تقلید غیر شخصی کے اندر کسی قسم کی بڑی مضرت کا گمان نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اس زمانہ میں تقلید کے دائرہ کا وسیع ہونا کوئی تعجب خیز امر نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں علم فقہ کی تدوین بھی عمل میں نہیں آئی تھی۔ لیکن حضرات تابعین کے بعد کا زمانہ چونکہ زمانۂ نبوت سے بعید ہو چکا تھا، عام طور پر طبیعتیں بھی پہلے سے مختلف ہو گئی تھیں، فساق و فجار جن پر ہوا و ہوس کا غلبہ تھا، بکثرت ہو گئے تھے اس لیے تقلید کی موجودہ وسعتوں کو تقلید شخصی میں محدود کرنا ناگزیر تھا ورنہ مفاسد کا دروازہ کھل جاتا اور شرائع و احکام شرع بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتے۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری کے اختتام پر ائمہ مجتہدین کے تفقہات کتابی شکل میں مدون ہونا شروع ہو گئے۔ جن لوگوں کو تدوین شدہ مذاہب میسر آ گئے انہوں نے اسی مذہب کی پیروی کر لی اور تقلید شخصی اختیار کی۔ البتہ جن کو وہ مذاہب میسر نہ ہو سکے وہ اس زمانہ میں بھی بدرجہ مجبوری تقلید غیر شخصی ہی کرتے رہے حتیٰ کہ ان کو کوئی مدون مذہب دستیاب ہو گیا۔

اس بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

وبعد المائتين ظهر فيهم	اور دوسری صدی کے بعد لوگوں میں
التمذهب للمجتهدين بأعيانهم	متعین مجتہد کی پیروی کا رواج ہوا
وقلّ من كان لا يعتمد على	اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو کسی
مذهب مجتهد بعينه وكان	خاص مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ رکھتے
هو الواجب في ذالك الزمان۔	ہوں اور اس زمانہ میں یہی ضروری
(الانصاف ص [illegible])	تھا۔

اشتغال فی الفقہ کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدينؒ	الحاصل ان مجتہدین کا صاحب مذہب
سرّ ألهمه الله تعالى العلماء	ہونا اور پھر لوگوں کا ان کو اختیار کرنا
وجمعهم من حيث يشعرون	یہ ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے
أو لا يشعرون۔	ان پر الہام کیا اور ان کو اس پر متفق کیا
(الانصاف ص [illegible])	چاہے اس کو جانیں یا نہ جانیں۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تقلید شخصی کا رواج گو دوسری صدی ہجری کے بعد ہو گیا تھا مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو تقلید غیر شخصی پر عامل تھے اور اس کو انھوں نے بالکلیہ ترک نہیں کیا تھا۔ فرماتے ہیں:۔

اعلم أن الناس كانوا	جاننا چاہیے کہ چوتھی صدی ہجری
قبل المائة الرابعة غير	سے قبل تمام لوگ متعین طور پر کسی
مجمعين على التقليد الخالص	مذہب خاص کی پیروی (یعنی تقلید
لمذهب واحد بعينه۔	شخصی) پر متفق نہیں ہوئے تھے۔

(حجة الله البالغة ص۱۵۲ / ج ۱)

تقلید شخصی میں انحصار

جب حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا فقہ کتابی شکل میں مدون ہو کر تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گیا اور عام طور پر رائج ہو گیا۔ تب انہیں مذاہب اربعہ میں تقلید کا انحصار ہو گیا اور پھر تقلید شخصی کے مسئلہ میں کسی کو بھی اختلاف نہ رہا بلکہ اس کے خلاف کرنے کو سواد اعظم سے خروج کے مترادف سمجھا جانے لگا جو سخت ترین گناہ ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

لما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنها خروجا عن السواد الاعظم۔	جب بجز مذاہب اربعہ کے اور سارے مذاہب حقہ ختم ہو گئے تب انہیں مذاہب اربعہ کا اتباع سواد اعظم کا اتباع قرار پایا اور ان چاروں مذہب سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنے کے مترادف ٹھیرا۔

(عقد الجید صـ۳۸)

اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ان مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کے انحصار اور جواز تقلید پر اجماع امت ہے اور یہ قوی ترین دلیل ہے۔ فرماتے ہیں:

هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتد بها منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا۔	تمام امت نے یا امت کے قابل لحاظ افراد نے ان مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر اجماع کر لیا ہے جو آج تک جاری ہے۔

(حجۃ اللہ البالغۃ صـ۱۳۲ ج ۱)

اور فرماتے ہیں:۔

وفی ذلک کلها من المصالح ما لا یخفی لاسیما فی هذه الایام التی قصرت فیها الهمم جداً و اشربت النفوس الهوی و اعجب کل ذی رأی برأیه۔

اور اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں جو پوشیدہ نہیں ہیں، بالخصوص اس زمانہ میں کہ ہمتیں پست ہوگئی ہیں اور نفوس میں خواہشات کا غلبہ، اور ہر رائے والا اپنی رائے پر مغرور ہے۔

(حجة اللّٰہ البالغہ ۱)

پھر آگے چل کر تقلید پر اعتراض کرنے والوں پر گرفت فرماتے ہیں:۔

فما ذهب الیه ابن حزم حیث قال ان التقلید حرام لا یحل لاحد ان یاخذ قول احد غیر رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیه وسلم بلا برهان ۔۔۔۔۔۔۔۔ (حجة اللّٰہ البالغہ ۔۔۔)

علامہ ابن حزم نے جو رائے قائم کی ہے کہ تقلید حرام ہے اور سوائے رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم کے کسی اور کا قول لینا بلا دلیل جائز نہیں یہ ایک بے دلیل بات ہے۔

تقلید کے بارے میں حضرت شاہ صاحب کا نظریہ یہ تھا کہ اگر بالفرض کوئی شخص بھی ایسے ملک میں قیام پذیر ہو جہاں کسی دوسرے مذہب کا کوئی عالم یا اس کی کتابیں موجود نہ ہوں تو اس کو صرف مذہب حنفی کی تقلید کرنا ضروری ہے۔ (۲۱) میں تحریر ہے۔ فرماتے ہیں:۔

اذا کان الانسان جاهلاً فی بلاد الهند او بلاد ما وراء النهر و لیس هناک عالم شافعی ولا مالکی ولا حنبلی ولا کتاب

جب کوئی شخص ہندوستان یا ماوراء النہر میں سکونت پذیر ہو جہاں کوئی شافعی مالکی اور حنبلی عالم نہ ہو اور ان مذاہب کی کتابیں بھی میسر نہ آسکتی ہوں تو اس

من کتب المذاہب وجب علیہ ان یقلد بمذہب ابی حنیفۃ رح ویحرم علیہ ان یخرج من مذہبہ لانہ حینئذ یخلع ربقۃ الشریعۃ ویبقی سدًی مہملاً (الانصاف)

عامی شخص پر واجب ہے کہ وہ صرف امام ابوحنیفہ رح کی تقلید کرے ان کے مذہب سے علیحدہ ہونا اس کے لیے حرام ہے کیونکہ اس سے علیحدگی کی صورت میں وہ شریعت کی رسی اپنی گردن سے اتار پھینکے گا اور پھر یونہی آزاد پھرتا پھرے گا۔

شاہ صاحبؒ ایسے شخص کو قطعاً ناپسند فرماتے تھے جو محدثین اور فقہاء سے کنارہ کش ہو جائے۔ اپنی کتاب 'الانصاف' میں فرماتے ہیں:-

جو شخص ایسے صوفیاء کرام سے جو عالم شریعت بھی ہوں، اور ایسے علماء سے جو صوفی ہوں، یا محدثین سے جن کو احادیث نبویہ سے وافر حصہ ملا ہو، اور ایسے فقہاء سے جن کو علم فقہ سے گہرا تعلق ہو، تعلق منقطع کرے وہ شخص ہمارے گروہ سے نہیں ہے۔

تنبیہ: بلاشبہ حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام سے ایسے شواہد بھی ملتے ہیں جن سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ تقلید شخصی کو پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن شاہ صاحب کی ان ساری عبارات کو سمجھنے کے لیے ان کے گرد و پیش کے ماحول سے اور اس زمانہ کے پیدا شدہ فقہی جمود سے صرف نظر نہ کرنا چاہیے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں بعض لوگوں نے فقہی مسائل اور جزئیات کو احادیث کا درجہ دے دیا تھا۔ فقہاء کی تصریحات کے خلاف کوئی حدیث اگر پیش کی جاتی تو اس کو یہ لوگ رد کر دیتے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ

ہندوستان میں حدیث پاک کا فروغ حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے ذریعہ ہوا ہے۔ شاہ صاحبؒ کی نظر میں یہ چیز ناپسندیدہ تھی، اسی وجہ سے آپ فقہی جزئیات کو کتاب و سنت پر تطبیق کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے تاکہ اقوال مختلفہ میں جو قول سنت معروف کے مطابق ہو اس کو اختیار کیا جائے۔

اس بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں اتنا توسع تھا کہ اگر کوئی مسئلہ فقہ حنفی کی ظاہری روایت میں موجود نہ ہوتا اور حدیث میں موجود ہوتا تو اس کو ضرور اختیار کر لیتے اور اس طریقہ کو مذہب حنفی کی تقلید کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

ومن قال مذهب أبي حنيفة ترك الإشارة بالمسبحة فقد أخطأ ولا يعضده رواية ولا دراية. قال ابن همام نعم لم يذكره محمد في الأصل وذكره في الموطأ، وجدت بعضهم لا يميز بين قولنا ليست الإشارة ظاهر المذهب وقولنا ظاهر المذهب انها ليست الإشارة۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ص [illegible] ج ۲)

جس شخص نے یہ کہا کہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ تشہد میں اشارہ بالسبابہ نہ کیا جائے، اس نے غلطی کی کیونکہ یہ عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ابن ہمام نے فرمایا، ہاں اس مسئلہ کو اصل مبسوط میں ذکر نہیں کیا جو ظاہر روایت کی کتابوں میں سے ہے لیکن انہوں نے موطا میں اس کو ذکر فرمایا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ فقہاء حنفیہ کی دو تعبیروں میں فرق نہیں کرتے کہ اشارہ ظاہر مذہب میں نہیں، اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ اشارہ نہیں۔

اس توسیع کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض ظاہر بین حضرات نے شاہ صاحبؒ کو غیر حنفی مسلک

سے الگ۔ بلکہ اس کے خلاف سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ قطعاً خلافِ حقیقت ہے۔

یہ تھے حضرت شاہ صاحبؒ کے نظریات مسئلہ تقلید کے بارے میں۔

اب تقلید کی تاریخی نوعیت کے متعلق کسی قدر تفصیلی جائزہ ملاحظہ فرمائیے:۔

تقلید غیر شخصی کا رواج

رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد زریں میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے لیے مسائل جزئیہ اور واقعات حادثہ میں عمل کرنے کے لیے تین راستے تھے:۔

(۱) ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲) اجتہاد۔ (۳) تقلید۔

اگر کسی صاحب کو کسی بھی جزئی مسئلہ میں تردد ہوتا تو بشرط قرب و ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تشفی حاصل کر کے اس پر عمل کر لیتے اور اگر دور ہونے کی وجہ سے یا کسی اور بنا پر ملاقات نہ ہو سکتی تو قاصد کے ذریعہ یا خط و کتابت سے دریافت کرنے کی کوشش کرتے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکتا اور ان میں خود اجتہاد کی قوت ہوتی تو اپنے اجتہاد اور استنباط سے کام لیتے اور عمل کرتے۔ اور اگر قوتِ اجتہادیہ میسر نہ ہوتی یا اس سے کام لینا نہ چاہتے تو جو بھی عالم مل جاتا اس سے دریافت کرتے اور وہ اپنی روایت یا درایت سے جو کچھ جواب دیتا پورے وثوق و اعتماد سے اس پر عمل کرتے۔ چونکہ ان حضرات کا مقصد خالص عمل کرنا ہوتا تھا اس لیے اس کا راستہ تلاش کر کے عمل میں مصروف ہو جاتے اور قیل و قال میں وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد چونکہ براہ راست آپ سے مسائل معلوم کرنے کا سلسلہ ختم ہو گیا اور مسائل غیر منصوصہ اجتہادیہ میں صرف دو ہی چیزوں یعنی اجتہاد اور تقلید پر عمل کا دارومدار رہ گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجتہدین کی ایک بڑی جماعت پیدا کر دی لیکن اس وقت تک

کسی مجتہد کے اصول و قواعد مرتب نہیں ہوئے تھے اور اسی طرح مسائل و فروع بھی مدون نہیں تھے اس لیے کسی خاص معین مجتہد کے مسائل اجتہادیہ پر مطلع ہو کر اس کے مذہب معین کی پابندی اور اس پر عمل کرنا نہایت دشوار بلکہ غیر ممکن تھا۔ ادھر غیر مجتہدین میں تدین و تقویٰ اور اخلاص عمل کا جذبہ موجزن تھا، لہٰذا جس کو جو بھی مجتہد مل جاتا اس سے اپنی ضرورت کا مسئلہ دریافت کر کے عمل کر لیتا اور اس مسئلہ میں اسی کی تقلید اور تابعداری کر لیتا۔ کسی خاص مجتہد کی پابندی نہیں تھی اور نہ یہ اس وقت ہو سکتی تھی۔ تقریباً دوسری صدی ہجری کے آخر تک اسی طرح تقلید غیر شخصی جاری رہی اور اس کا ایسا عام رواج رہا کہ کسی بھی قابل لحاظ عالم نے اس پر کوئی انکار نہیں کیا۔

تقلید شخصی کا رواج

دوسری صدی ہجری میں جب علماء ربانیین نے بالہام خداوندی اصول و فروع کی تدوین اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بتدریج شروع فرمایا تب بعض بعض مسائل کے ایسے مجموعے پائے جانے لگے جن کے ذریعہ ائمہ مجتہدین کے قابل ترین اور لائق تلامذہ نے اپنے اپنے اساتذہ اور اکابر کے مذاہب و مسالک کی بقا اور ترویج میں سعی بلیغ شروع کر دی۔

اس طرح دوسری صدی ہجری کے بعد اکثر لوگوں میں تقلید شخصی کے رواج کی ابتدا ہوئی۔ لیکن اس وقت چونکہ مذاہب مدونہ کا اس قدر عام رواج نہ ہو سکا تھا کہ ہر جگہ اور ہر شخص کو بآسانی دستیاب ہو سکیں اور نیز مجتہدین کی تعداد بھی غیر محصور تھی۔ اس لیے جن لوگوں کو مذاہب مدونہ پورے طور پر میسر نہ ہو سکے وہ اس وقت بھی حسب دستور سابق تقلید غیر شخصی پر عامل رہے اور بہتوں نے ایک ایک مذہب کی پابندی کر کے

تقلید شخصی کا التزام کر لیا۔ اور پھر یہ تقلید شخصی بھی ان چار مشہور مذاہب میں منحصر نہ تھی کیونکہ ان مذاہب کے علاوہ اس وقت اور بھی بعض مجتہدین کے مذاہب پائے جاتے تھے چوتھی صدی ہجری تک یہی دور رہا۔

تقلید شخصی کا انحصار مذاہب اربعہ میں

چوتھی صدی ہجری میں جبکہ مذاہب اربعہ، حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کی کتب فقہ مدون ہو کر اقطار عالم میں پھیل گئیں اور ان مذاہب اربعہ میں سے کسی نہ کسی مذہب پر ہر جگہ اور ہر شخص کے لیے عمل کرنا سہل اور آسان ہو گیا اور بتقدیر الٰہی ان چار ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مذاہب کے سوا باقی تمام مذاہب جو چوتھی صدی ہجری سے قبل پائے جاتے تھے اسباب حفاظت کی کمی یا اور کسی وجہ سے ختم ہو گئے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ مشیت ایزدی اسی طرح تھی کہ جس کا باقی رہنا مقصود تھا باقی رہا ورنہ فنا ہو گیا۔ اور اہل سنت والجماعت میں ان چار مذاہب کے سوا اور کوئی مذہب مروج اور معمول بہ نہ رہا اور بوجہ عدم ضرورت اجتہاد میں بھی کمی آ گئی اب چوتھی صدی ہجری میں ان چاروں ائمہ کے مذاہب میں تقلید شخصی کا انحصار ہو گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

"پھر مذاہب اربعہ کے دوسرے تمام مذاہب تقریباً معدوم ہو گئے اب انہی چاروں کا اتباع سواد اعظم کا اتباع قرار پایا اور ان سے باہر ہونا سواد اعظم سے نکلنا ہوا۔" (عقد الجید)

علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:-

"دیار و امصار میں ان ہی ائمہ اربعہ میں تقلید منحصر ہو گئی اور ان

سو جو امام تھے ان کے مقلد ناپید ہو گئے اور لوگوں نے اختلافات کے
دروازے اور راستے بند کر دیے۔ اور چونکہ اصطلاحات علمیہ مختلف
ہو گئیں اور لوگ مرتبہ اجتہاد تک پہنچنے سے رہ گئے اور اس امر کا
اندیشہ پیدا ہوا کہ اجتہاد کے میدان میں ایسے لوگ نہ کود پڑیں
جو دراصل اس کے اہل نہیں ۔ [illegible] ان کا دین اور ان کی رائے
قابل وثوق ہے لہذا علمائے زمانہ میں جو محتاط تھے انھوں نے
اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کر دیا اور اس کے دشوار ہونے کی تصریح
فرما دی اور ان ہی ائمہ مجتہدین کی تقلید کے لیے جن کے لوگ مقلد
ہو رہے تھے ہدایت اور رہنمائی کرنے لگے۔ اور چونکہ تداول تقلید
میں تلاعب ہے۔ یعنی اس طرح تقلید کرتے ہیں کہ کبھی ایک امام
اور کبھی دوسرے امام کی طرف رجوع کرتے ہیں دین کھلونا بن جاتا
ہے اس لیے اس طرح کی تقلید کرنے سے لوگوں کو منع کرنے لگے
اور ایک ہی امام کی تقلید کرنے پر زور دینے لگے اور صرف
نقل مذہب باقی رہ گیا۔ اور بعد تصحیح اصول و اتصال سند
بالروایۃ ہر مقلد اپنے اپنے امام مجتہد کی تقلید کرنے لگا اور فقہ
سے آج بجز اس امر کے کچھ اور مطلب نہیں۔ اور فی زمانہ مدعی
اجتہاد مردود اور اس کی تقلید مہجور اور متروک ہے اور اہل اسلام
انھیں ائمہ اربعہ کی تقلید پر مستقیم ہو گئے ہیں۔"

(منقول از ادلہ البیان، ص ۱۰۹)

مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کا انحصار فضل ربانی ہے

مسائل اجتہادیہ غیر منصوصہ میں مجتہد سے کسی بھی صورت میں استغنا نہیں ہو سکتا اور ائمہ اربعہ کے ماسوا باقی تمام مذاہب جن میں مذاہب حقہ بھی تھے، چوتھی صدی ہجری تک ختم ہو گئے اور آنے والے لوگوں میں مجتہد بننے کی توقع بھی باقی نہیں رہی تو اب صرف دو ہی صورتیں تھیں۔ یا تو لوگ اپنے اپنے خیالات کو کافی سمجھ کر اس پر عمل کرتے اور اتباع ہوی کے گناہ میں مبتلا ہوتے یا ائمہ اربعہ کے مذاہب حقہ محفوظہ کی تقلید اختیار کرتے اور اپنے آپ کو اتباع ہوا سے محفوظ رکھتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے لوگوں میں ائمہ اربعہ کی تقلید شخصی کی محبت پیدا کر دی اور ان کے دین کو اتباع ہوی سے بچا لیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب "الانصاف" میں فرماتے ہیں:-

"ائمہ مجتہدین کے مذاہب کا پابند ہونا ایک راز خداوندی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے قلوب میں الہام فرمایا ہے اور اس پر ان کو جمع کر دیا ہے۔ وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

"مجتہدین کی چوتھی علامت یہ ہے کہ ان کے لیے قبولیت آسمان سے نازل ہو ایں طور کہ ان کے علم کی طرف علماء مفسرین، محدثین اور ارباب اصول و حفاظ کتب حدیث و فقہ گروہ در گروہ مائل ہو جائیں اور اس قبولیت اور علماء کی توجہ پر زمانہ دراز گذر جائے کہ یہ قبولیت دلوں کی تہ میں بیٹھ جائے ــــ سو الحمد للہ یہ علامت ائمہ اربعہ میں پوری طرح پائی جاتی ہے"

لہٰذا مذاہب اربعہ عند اللہ مقبول ہیں۔

تقلید شخصی کا وجوب

اس بے دینی، کم عقلی اور نفس پرستی کے دور میں تقلید شخصی ضروری اور واجب ہے۔ اس سے کسی بھی صاحب فہم اور سلیم الطبع آدمی کو قطعاً انکار نہیں ہو سکتا۔ تقلید کے وجوب اور اس کی ضرورت کو سمجھنے کے لیے اولاً وجوب کے معنی سمجھ لینا چاہییں کسی چیز کے واجب اور ضروری ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن و حدیث میں خصوصیت کے ساتھ اس کی تاکید فرمائی گئی ہو جیسے نماز و روزہ وغیرہ۔ اس طرح کے وجوب کو وجوب بالذات کہتے ہیں۔ وجوب کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس امر کی خود تو کہیں صراحتاً تاکید نہیں کی گئی ہے مگر جن امور کی قرآن و حدیث میں تاکید کی گئی ہے ان پر عمل کرنا اس امر کے بغیر ممکن نہ ہو اس لیے اس کو بھی ضروری اور واجب کہا جائے گا کیونکہ یہ ایک مشہور اصول ہے کہ واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے۔ یعنی جس چیز پر کسی واجب کا دارومدار ہو وہ خود بھی واجب ہوتی ہے۔ اس کی مثال میں بہت سی چیزوں کا نام لیا جا سکتا ہے۔ جن میں قرآن و حدیث کی تدوین اور کتابت بھی ہے۔

دیکھیے شریعت میں کہیں بھی قرآن و حدیث کو اس طرح یکجا کرنے اور ان کو صحیفۂ تحریر میں لانے کا صراحتاً حکم نہیں آیا ہے۔ لیکن چونکہ قرآن و حدیث کو محفوظ رکھنا اور اس کو ضائع ہونے سے بچانا ایک شرعی فریضہ ہے جس کی بار بار تاکید کی گئی ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ بغیر کتابت کے عادتاً ان کی حفاظت ناممکن تھی اس لیے قرآن و حدیث کے لکھنے کو ضروری اور واجب سمجھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ دلالۃً اس پر امت کا اتفاق چلا آیا ہے۔ اس طرح کے وجوب کو وجوب بالغیر

کہتے ہیں۔

وجوب کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تفصیل کے بعد اب یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ تقلید شخصی بھی واجب بالغیر ہے۔ کیونکہ تقلید شخصی سے اس فساد کا دروازہ بند کرنا مقصود ہے جس سے شریعت اسلامیہ نے نہایت شدومد کے ساتھ روکا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا۔ — اصلاح کے بعد زمین پر فساد برپا مت کرو۔

آیت کریمہ میں فساد کرنے سے روکا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو چیز فتنہ و فساد کا باعث ہوگی وہ خود بھی ممنوع ہوگی اور اس کا ترک واجب ہوگا۔ چونکہ غیر مقلدیت موجب فتنہ و فساد ہے جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا، اس لیے ترک تقلید ممنوع ہوگی اور ائمہ اربعہ میں سے کسی بھی امام کی تقلید واجب ہوگی کیونکہ اس سے فتنہ و فساد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ترک تقلید میں سراسر فتنہ و فساد ہے اس کے سمجھنے کے لیے غور فرمائیے۔

آج کے دور میں عام طور پر علمی کم مائیگی اور اخلاص و للّٰہیت کا فقدان جیسا کچھ ہے ظاہر ہے۔ ایسی حالت میں اگر یہ طے ہو جائے کہ قرآن و حدیث کا مطلب جس کی سمجھ میں جو آئے وہ اس پر عمل کیا کرے اور اپنی سمجھ کے مطابق فتوی صادر کیا کرے تو اس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ بعض لوگ تو اپنے آپ مجتہد سمجھ کر قیاس کرنا شروع کر دیں گے اور جو اپنا اجتہاد کو احادیث سے پیش کر کے کہیں گے کہ اجتہاد کو حدیث نے کسی جماعت کے ساتھ مخصوص تو کیا نہیں ہے اور پھر ہم بھی تو آخر پڑھے لکھے ہیں۔ قرآن و حدیث کا ترجمہ ہم نے بھی دیکھا ہے یا کسی عالم سے سنا ہے۔ اور ہم اس کو سمجھ بھی گئے ہیں یہی ہمارا اجتہاد

کیوں معتبر نہ ہو؟

اس طرح ہر کس و ناکس مدعی اجتہاد ہوگا اور ہر ایک اپنے اپنے اجتہاد کے موافق فتویٰ دے گا۔ پھر ایک دوسرے کے فتویٰ کو باطل قرار دیگا۔ تو تو میں میں ہوگی اور امت میں سخت اختلاف اور فتنہ و فساد برپا ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک مسئلہ میاہ (مسئلہ پانی) کو لے لیجیے جو فقہ اور اکثر کتب حدیث کا گویا پہلا مسئلہ ہے:

اذا بلغ الماء قلتین لا یحمل الخبث۔۔ (الحدیث) — جب پانی دو قلے (مٹکے) ہو جائے تو وہ ناپاکی قبول نہیں کرتا۔

اس حدیث قلتین کی بنا پر ایک صاحب کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ پانی اگر دو قلوں سے کم ہے تو اس میں نجاست پڑ جانے سے وہ پانی ناپاک ہو جائیگا۔ دوسرے صاحب کے سامنے ایک دوسری حدیث تھی۔

الماء طہور لا ینجسہ شئ ما لم یتغیر۔

یعنی پانی پاک کرنے والا ہے، اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی جب تک کہ پانی میں تغیر نہ آجائے۔

جس کے پیش نظر پانی کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو وہ وقوع نجاست سے ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ اس پانی میں تغیر نہ آجائے — تیسرے صاحب کی تحقیق یہ ہوئی کہ حدیث کے مطابق الماء طہور لا ینجسہ شئ — یعنی پانی پاک کرنے والا ہے، اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔ وقوع نجاست سے پانی ناپاک ہوتا ہی نہیں، اوصاف متغیر ہوں یا نہ ہوں، کیونکہ حدیث متصل السند اوصاف ثلاثہ کے تغیر کے بارے میں وارد ہی نہیں ہوئی — چوتھے صاحب امام داؤد ظاہری سے متفق الرائے ہوں گے کہ پیشاب سے تو پانی ناپاک ہو جائیگا۔

پاخانہ سے ناپاک نہیں ہوتا۔ کیونکہ حدیث "لا یبولن احدکم فی الماء الدائم"
یعنی تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔ یہ حدیث پیشاب
کے بارے میں آئی ہے نہ کہ پاخانہ کے متعلق — پانچویں صاحب ابن حزم کے
یہ خیال ہوئے کہ اگر پانی میں ہی پیشاب کیا جائے تو پانی ناپاک ہوگا اور اگر کسی
برتن میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دیا جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا — چھٹے
صاحب کا یہ اجتہاد ہوا کہ پانی میں پیشاب کیا جائے یا خارج سے مل جائے ہر
صورت وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ مگر صرف اس کے واسطے جس نے پیشاب
کیا۔ دوسروں کے لیے وہ طاہر و مطہر ہی رہتا ہے۔ اب یہ چھ اشخاص ہوئے
فرض کیجیے کہ یہ سب کے سب ایک ہی مقام پر رہتے ہیں اور پانی کے مسئلہ میں
ہر ایک کی رائے مختلف ہے اور ہر شخص کا ماخذ حدیث ہی ہے۔ ہر ایک نے
اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق فتویٰ دیا ہے تو ایسی حالت میں عوام کی کیا کیفیت
ہوگی۔ ہر ایک اپنے مخالف کے قول کو باطل قرار دے گا اور ان غلطیوں میں کتنا
شدید اختلاف ہوگا اور کتنے متفرق فرقے بن جائیں گے۔

یہ تو پانی کا ایک مسئلہ ہوا۔ اس کے علاوہ نماز روزہ کے سینکڑوں بلکہ
بلا مبالغہ ہزاروں احکام ایسے ہیں جن میں اختلاف کی پوری گنجائش ہے۔ سو
اختلافات کی وجہ سے کس قدر دنگے اور فساد کی نوبت آئے گی۔ جب ہر شخص
اس کا مجاز ہوگا کہ کتاب و سنت سے جس کی سمجھ میں جو آئے اس پر عمل کرے
اور فتویٰ دے۔ اور ظاہر ہے کہ انسانی طبیعتیں مختلف اور عقل و فہم جدا جدا ہیں
تو پھر اتفاق کس طرح ہو سکتا ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ عام طور پر لوگوں
میں نفسانیت بھری ہوئی ہو اور بے دینی و بے علمی کا دور دورہ ہو۔

مذکورہ بالا صورت حال جس ضعیف طرح کے راستے ہوگی اس پر یہ امر

روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ غیر مقلدیت فتنہ و فساد کی جڑ ہے اور رفع فساد
کے لیے اس سے احتراز نہایت ضروری ہے اور کسی خاص مذہب کی پابندی لازمی ہے

> بلکہ آج کل جو دیکھیے تو غیر مقلدین ہی تقلید سے بچے ہوئے نہیں ہیں۔ یہ الگ بات
> ہے کہ وہ خیر القرون یا اس سے قریب تر زمانہ کے کسی عالم کی تقلید کے
> شرف سے محروم رہ کر چودھویں صدی کے کسی نام نہاد عالم و محدث کی
> تقلید میں پھنسے ہوئے ہیں۔

لیکن چونکہ ائمہ اربعہ کے سوا کسی اور امام کا مذہب مدون اور شائع نہیں اس لیے
انہی چاروں میں سے کوئی خاص مذہب اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

الغرض جب یہ ثابت ہوگیا ہے کہ غیر مقلدیت فتنہ و فساد کی جڑ ہے اور
کسی مذہب معین کی تقلید موجب صلاح اور رفع فساد کا ذریعہ ہے تو عدم
تقلید ناجائز اور تقلید شخصی واجب بالغیر ہوئی۔

تنبیہ: امام معین کی تقلید کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے تمام مجتہدات
پر عمل کرنا لازم اور ضروری ہے، بلکہ امام سے منقول ان کے مستنبطہ مسائل میں سے
جو مفتیٰ بہا ہیں ان پر عمل کرنا کافی ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مجتہد مطلق کا ہی وہ
مسئلہ استنباط کیا ہوا ہو بلکہ مجتہد کے اصول استنباط کے مطابق جو بھی قابل اعتماد
عالم (خواہ وہ امام کا تلمیذ ہو یا نہ ہو) استخراج مسائل کرے اور اس پر فتویٰ دے دیا
جائے تو اس پر عمل کرنا صحیح ہوگا اور یہ مجتہد کی تقلید سے اعراض نہ سمجھا جائے گا۔
یہی معنی تقلید کے ہیں۔ مثلاً مذہب حنفی میں بھی اکثر مسائل مختلف فیہا ہیں۔
امام صاحبؒ کچھ فرماتے ہیں اور صاحبین کچھ اور فرماتے ہیں مگر فتویٰ کسی ایک کے
قول پر ہے۔ پس مسائل مفتیٰ بہا کے اعتبار سے مذہب حنفی میں ایک خاص مذہب
نکل آیا تو رفع فساد کے لیے اس کی تقلید کی جائے گی اور یہی درحقیقت تقلید شخصی

اپنی کتاب 'بستان المحدثین' میں تحریر فرمایا ہے کہ :-

"امام ابو داؤدؒ کے مذہب کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض ان کو شافعی کہتے ہیں اور بعض حنبلی واللہ اعلم۔"

امام ترمذیؒ — ابو عیسیٰ بن سورۃ الترمذی، صاحب جامع ترمذی متوفی ۲۷۹ھ کے متعلق حضرت شاہ صاحب 'انصاف' میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

"یہ حنبلی المذہب ہیں اور امام اسحاق بن راہویہ کی طرف بھی منتسب ہیں اور بعض اہلِ تحقیق نے ان کو شافعی المذہب کہا ہے۔"

ابن ماجہ — متوفی ۲۷۳ھ، دارمی — متوفی ۲۵۵ھ۔ ہر دو حضرات حنبلی المذہب ہیں اور اسحاق بن راہویہ کی طرف بھی منتسب ہیں، جیسا کہ 'انصاف' میں مذکور ہے۔

امام عبد الرحمٰن احمد نسائی — متوفی ۳۰۳ھ صاحب سنن نسائی شافعی المذہب ہیں جیسا کہ ان کی کتاب 'منسک' اس پر دلالت کرتی ہے اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے 'بستان المحدثین' میں ذکر فرمایا ہے، اور 'جامع الاصول' میں ہے :-

"النسائی کان شافعی المسلک، لہ مناسک الفہا علی مذہب الشافعی۔"

نیز مولانا عبد الحق محدث دہلویؒ نے "شرح سفر السعادت" میں بھی اس کو بیان کیا ہے۔

لیث بن سعدؒ — متوفی ۱۷۵ھ، امام بخاریؒ کے استاد اور تبع تابعین میں سے ہیں، حنفی المذہب ہیں۔ علامہ قسطلانی نے ابن خلکان سے

نقل کیا ہے۔ اور صاحب الجواہر المضیہ نے اپنی کتاب میں، اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھا ہے:۔

"کان اللیث اماماً کبیراً مجمعاً علی جلالتہ وثقتہ وکرمہ
وکان علی مذہب الامام ابی حنیفۃ رح قال القاضی
ابن خلکان ولیس فی کتب الستۃ من اسمہ لیث
ابن سعد سواہ انتہی"

امام ابو یوسف رح — یعقوب بن ابراہیم انصاری، متوفی سنہ ۱۸۲ھ، شاگرد امام اعظم ابو حنیفہ رح حنفی المذہب ہیں۔ تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ ان پر مذہب ابی حنیفہ غالب تھا، ہاں بہت سے مقامات پر ان کی مخالفت بھی کی ہے یعنی جن مسائل میں ان کو مرتبۂ اجتہاد حاصل تھا صرف ان میں مخالفت کی ہے۔

امام محمد بن حسن الشیبانی رح متوفی سنہ ۱۸۹ھ، شاگرد امام اعظم رح و امام ابو یوسف رح حنفی المذہب ہیں۔ انھوں نے فقط ان مسائل میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رح کی مخالفت کی ہے جن میں ان کو مرتبۂ اجتہاد حاصل تھا۔ ان کے حنفی المذہب ہونے کی تصریح صاحب کشف الظنون اور ابن خلکان وغیرہ نے پورے طور پر کی ہے۔

اسی طرح چوتھی صدی ہجری کے بعد جو کبار محدثین ہوئے ہیں ان کے حالات کی تفتیش کی جائے تو وہ بھی ان مذاہب اربعہ سے خالی نہ ملیں گے، ملاحظہ فرمایئے:۔

حافظ زیلعی، علامہ عینی، محقق ابن ہمام، ملا علی قاری وغیرہم جو علاوہ فقہ کے علم حدیث میں بھی تبحر رکھتے تھے یہ سب حنفی المذہب تھے۔ ابن عبد البر جیسے محدث مالکی المذہب ہیں۔ نووی، بغوی، خطابی، ذہبی، عسقلانی،

قسطلانی، سیوطی وغیرہ جن کا فن حدیث میں ڈنکا بجتا تھا شافعی المذہب تھے، اور اسی طرح بہت سے علماء و محدثین حنبلی المذہب ہوئے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم یہ دونوں حضرات حنبلی تھے۔

امام ابوحنیفہؒ کی تقلید اور اس کا پھیلاؤ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ کرام مختلف قصبات اور شہروں میں گئے اور مختلف مقامات پر متمکن اور سکونت پذیر ہوگئے۔ ارشاد نبوی صلعم کے مطابق (اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم۔ یعنی میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے") تمام صحابہ اپنے اپنے مقام پر مقتدیٰ اور متبوع قرار پائے۔ اسی طرح تابعین علماء اپنے اپنے علاقوں اور مقامات کے امام بنے اور لوگوں نے ان کی تقلید اور اتباع کی۔

۸۰ھ میں حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفہ میں، اور ۹۵ھ میں حضرت امام مالکؒ مدینہ میں پیدا ہوئے۔ عراقیوں نے امام ابوحنیفہ کو اپنا امام تسلیم کیا اور حجازیوں نے امام مالک کو اپنا مقتدا اور پیشوا قرار دیا۔ ۱۵۰ھ میں بمقام غزہ (فلسطین) امام شافعیؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ مرتبہ اجتہاد کو پہونچے اور بہت سے لوگ ان کے مقلد اور متبع ہوگئے۔ ۱۶۴ھ میں امام احمد بن حنبلؒ نے شہر بغداد میں ساحت عدم سے عالم وجود میں قدم رکھا، بہت بڑے محدث اور امام مجتہد ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے ان کی تقلید اختیار کی۔ اگرچہ ان ائمہ اربعہ کے زمانہ میں اور ان کے بعد اور بھی بڑے بڑے مجتہد تھے اور ان کے بھی لوگ مقلد اور متبع تھے مگر مشیت ایزدی

اور مرتبی ربانی ہوئی کہ ان ائمہ اربعہ کے اتباع اور مقلدین روز بروز افزوں ہوتے گئے۔ نیز ان کے مسائل اجتہادیہ کتابوں میں مدون ہو گئے۔ بالخصوص امام اعظم ابو حنیفہ رح کے شاگرد امام ابو یوسف رح، امام محمد رح اور امام زفر رح نے حدیث و فقہ میں بکثرت کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں جن میں امام اعظم کے مسائل فقہیہ کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ حتیٰ کہ خود امام ہمام نے بھی کتابیں لکھیں جیسا کہ علامہ کوثری نے 'بلوغ الامانی' کے حاشیہ صفحہ ۱۸ پر لکھا ہے کہ متقدمین کی مؤلفات میں امام صاحب کی مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔

کتاب الرائ، ذکرہ ابن العوام — کتاب اختلاف الصحابہ، ذکرہ ابو عاصم العامری مسعود بن شیبہ — کتاب السیر — کتاب الاوسط — کتاب الجامع، ذکرہ العباس ابن مصعب فی تاریخ مرو — الفقہ الاکبر — الفقہ الابسط — کتاب العالم والمتعلم — کتاب الرد علی القدریۃ — رسالۃ الامام الی عثمان البتی فی الارجاء — چند مکاتیب بطور وصایا جو آپ نے اپنے چند احباب کو لکھے۔ اور یہ سب کتابیں مشہور و معروف ہیں۔

(منقول از مقدمہ انوار الباری)

"درحقیقت ملت اسلامیہ کی مثال ایک درخت طوبیٰ کی سی ہے کہ اس شجر طوبیٰ سے چند شاخیں نکلیں۔ ان میں سے کوئی تو ایک ہاتھ بڑھ کر رہ گئی، کوئی دو ہاتھ اور کوئی اس سے بھی زیادہ بڑھی۔ مگر اس کی چار شاخیں اتنی بڑھیں اور پھلی پھولیں کہ سارے عالم میں پھیل گئیں۔ اور ان میں بھی ایک شاخ کا تو وہ نشو و نما ہوا کہ چار دانگ عالم میں اس نے اپنا سایہ ڈالا اور بلاد متفرقہ میں اپنا رنگ جمالیا۔ یہ بڑی شاخ مذہب حنفیہ کی ہے کہ تیسری صدی ہجری ...

سد سکندری تک جو کوہ قاف میں ہے پہنچ گیا۔ چنانچہ سنہ ۲۲۸ھ میں جب کہ خلیفہ عباسی واثق باللہ نے کچھ آدمیوں کو سد سکندری کا حال دریافت کرنے کے لیے بھیجا تو وہاں کے لوگوں کو حنفی المذہب پایا۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی نے "ریاض المرتاض" میں بحوالہ مسالک الممالک لکھا ہے کہ:۔

"محافظان سد سکندری کہ در آنجا بودند ہمہ دین اسلام داشتند و مذہب حنفی و زبان عربی و فارسی می گفتند، اما از سلطنت عباسیہ بے خبر بودند۔"

عدم تقلید کا آغاز

تیسری صدی سنہ ۲۰۲ھ میں امام ابوداؤد ظاہری پیدا ہوئے۔ یہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث اور نہایت متبحر عالم تھے۔ انھوں نے تمام قیاسات کو خواہ خفیہ ہوں یا جلیہ سب کو ترک کرکے ظاہر نصوص پر چلنا اختیار کیا، اسی وجہ سے ان کو داؤد ظاہری کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی خاص جماعت ان کی پیرو ہوگئی جن کو ظاہریہ کہا جاتا ہے۔

چوتھی صدی سنہ ۳۸۴ھ میں علامہ ابن حزم کی ولادت ہوئی۔ علم حدیث میں تبحر حاصل کیا اور حفاظ حدیث میں شمار کیے جانے لگے۔ ابتداءً یہ شافعی المذہب تھے پھر داؤد ظاہری کا مذہب اختیار کیا اور آخر سب کو چھوڑ چھاڑ کر خود امام الائمہ بن گئے اور تقلید کو حرام بتلانے لگے۔ قیاس کے انکار اور نصوص ظاہرہ کو اختیار کرنے کے متعلق کتابیں لکھیں۔ ائمہ مجتہدین کو سب و شتم کیا اور خوب دل کھول کر برا بھلا کہا اور ان کے حق میں نہایت زبان درازیاں کیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن حزم کا خوب مذاق اڑایا گیا اور ان کی تالیف کردہ کتابیں

جلائی گئیں، پھاڑی گئیں اور دریا برد کی گئیں۔

آٹھویں صدی ہجری میں علامہ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ اور علامہ ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ پیدا ہوئے۔ یہ دونوں حضرات اکابر فقہاء حنابلہ میں سے ہیں۔ علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ بحر العلوم اور اپنے وقت کے زبردست متکلم تھے۔ کبار محدثین ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ مگر یہی حضرات ان کو "معجب الرائے" اور "بنی العقل" ٹھیراتے ہیں۔ جیسا کہ ذہبی وغیرہ نے ان کے متعلق بالتفصیل لکھا ہے۔ علامہ ابن بطوطہ نے تحفۃ النظار میں لکھا ہے:

"کان بدمشق من کبار الفقہاء الحنابلۃ تقی الدین ابن تیمیۃ کبیر الشام یتکلم فی الفنون الا ان فی عقلہ شیئاً"

یعنی دمشق میں اکابر فقہاء حنابلہ سے تقی الدین ابن تیمیہ تھے جو شام میں نہایت معظم اور فنون میں بڑے متکلم تھے مگر ان کے عقل میں کچھ کمی تھی۔

علامہ ابن قیم کے بارے میں ان کے اوصاف جمیلہ اور کمالات بیان کرنے کے بعد علامہ ذہبی نے "المعجم" میں لکھا ہے:

"لکنہ معجب برأیہ سیئ العقل جری علی امور"

یعنی ابن قیم میں یہ تمام صفات تھیں مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنی رائے کے مقابلہ میں کوئی رائے پسند نہیں کرتے۔ اور ان کی عقل میں بھی کچھ تزلزل تھی۔

تنبیہ: عقل میں فتور کا مطلب یہ ہے کہ جہاں پر انہوں نے اجتہاد کیا ہے اور محض اپنی عقل سے کام لیا ہے وہاں لغزش ہوئی ہے۔

بارہویں صدی ہجری کا زمانہ آیا تو محمد بن عبدالوہاب نجدی نمودار ہوئے۔ یہ تھے تو حنبلی المذہب، مگر اس مذہب سے تجاوز کر گئے کہ اکثر باتوں میں علماء کرام

مشرب انہی کا قرار پانے لگے۔ بہت سے لوگ ان کے متبع ہو گئے۔ خصوصاً شیخ قبیلہ محمد بن سعود نجدی نے ان کے خیالات کو بہت زیادہ اپنایا۔ آخر جنگ و جدال کی نوبت آئی اور کچھ ممالک ان کے قبضہ میں آ گئے۔ محمد بن سعود کے بعد ان کے بیٹے عبدالعزیز اور عبدالعزیز کے بعد ان کے بیٹے سعود تخت نشین، والیٔ ریاست اور صاحبِ مملکت حجاز ہوئے۔

محمد بن عبدالوہاب کی عمر سو برس کی ہوئی۔ ان تینوں والیانِ ریاست نے محمد بن عبدالوہاب کے خیالات اور ان کے مسائل کی تبلیغ اور نشر و اشاعت میں انتہائی جد و جہد اور سعی بلیغ کی اسی کی وجہ سے روز بروز ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا حتیٰ کہ سعود بن عبدالعزیز کو حرمین شریفین پر بھی کچھ دنوں کے لیے غلبہ اور تسلط حاصل ہو گیا۔

غلبہ کے زمانہ میں انہوں نے وہاں پر خون ریزی اور فتنہ و فساد کا بازار خوب گرم رکھا۔ اکثر مشاہد اور مقاماتِ مقدسہ کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا۔ قبۂ نبوی صلعم کے ڈھانے کا بھی ارادہ کیا مگر یہ نہ ہو سکا۔ جو لوگ ان کے ہم مشرب نہ تھے ان کو حج بیت اللہ سے بھی روک دیا۔ اس وقت محمد بن عبدالوہاب شاہ کے مقتدائے دین بنے ہوئے تھے۔ وہ جو کچھ بھی فتویٰ دیتے اسی کی تابعداری کی جاتی تھی۔ اس فرقہ کا لقب وہابیہ تھا — اگرچہ محمد بن عبدالوہاب ۱۲۰۶ھ میں فوت ہو گئے مگر ان کے متبعین برابر طوفان بے تمیزی اٹھانے میں مشغول رہے۔

سلطانِ روم اس زمانہ میں روسیوں سے برسرِ پیکار تھے اس لیے وہ اس فرقہ کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ بالآخر جب اس فرقہ کا فتنہ حد سے تجاوز کر گیا تب ابراہیم محمد علی پاشا والیٔ مصر نے عساکرِ سلطانی اپنے ہمراہ لیکر ان لوگوں

چڑھائی کی اور ۱۲۳۳ھ میں اس جماعت کو درہم برہم کر دیا۔ عبد اللہ ابن سعود ابن عبد العزیز کو جو اس وقت امیر نجد تھے گرفتار کر کے سلطان روم کے پاس بھیج دیا اور بقیہ تمام اشرار کا خاتمہ کر کے بلاد عرب کو فرقہ وہابیہ کے فتنہ و شر سے پاک کر دیا۔

قاضی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اسی نجدی فتنہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ محمد ابن عبد الوہاب نجدی کی وفات کے وقت ان کی عمر ۲۳ برس کی تھی اور فرقہ وہابیہ کے قلع قمع کے سترہ سال بعد ۱۲۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ چونکہ سعود بن عبد العزیز امیر نجد فرقہ وہابیہ کے سرگروہ اور سردار تھے ان کے ساتھ قاضی شوکانی کے گہرے تعلقات تھے۔ ان کے ساتھ خط و کتابت اور نامہ و پیام کا سلسلہ بھی برابر جاری رہتا تھا جیسا کہ خود قاضی شوکانی نے اپنی کتاب "بدر طالع" میں اس کا انکشاف کیا ہے۔ اور مزید براں علامہ ابن حزم، حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے متشددین کی تصنیفات پر بھی قاضی شوکانی کی گہری نظر تھی۔ اس لیے ان کے تشددات بھی حد سے بڑھ گئے تھے۔ نیز ان میں فرقہ ظاہریہ کی بو بھی سرایت کر گئی تھی جیسا کہ ان کی تالیف کردہ کتابوں سے ظاہر ہے۔

ہندوستان میں جب سے اسلام نے قدم رکھا مسلمانوں کی بھاری اکثریت برابر حنفی المذہب اور امام اعظم ابو حنیفہ کی مقلد رہی۔ جب اسلامی حکومت کا چراغ گل ہوا اور ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہوئی اور حکومت انگلشیہ کی طرف سے مذہبی معاملات سے کوئی تعرض نہ رہا تب تیرھویں صدی ہجری میں جا بجا کچھ ایسے لوگوں نے نشو و نما پایا جو ائمہ اربعہ کی تقلید کو محض بے اصل سمجھنے لگے۔ انھوں نے ابن حزم و ابن قیم اور قاضی شوکانی کے خیالات اور ان کے تشددات سے واقفیت حاصل کی اور اہل ظواہر سے بھی متاثر ہوئے۔ بات بات میں نئے نئے

اختلاف کرنے لگے اور مقلدین کو بدعتی، مشرک بلکہ کافر تک کہنے لگے۔

غیر مقلدین کو وہابی کیوں کہا جاتا ہے؟

اگرچہ محمد بن عبدالوہاب حنبلی المذہب تھے اور یہ غیر مقلدوں کا فرقہ کسی امام کا مقلد نہیں ہے۔ مگر چونکہ نجدیوں کے فتنہ و فساد کے اختتام کا زمانہ اور غیر مقلدین کے ظہور کا وقت قریب قریب ایک ہے اور نظریات میں دونوں تھے ہم قدم ہیں اس لیے ان کو وہابی کا لقب دیا گیا۔ اور خود یہ لوگ اپنے آپ کو محمدی کہنے لگے۔ اس پر بعض مزاح پسند افراد نے یہ شگوفہ چھوڑا کہ چونکہ یہ لوگ محمد بن عبدالوہاب کے پیرو ہیں اور اس کی تابعداری کرتے ہیں اس لیے انہوں نے اپنا لقب محمدی رکھا ہے۔ اس کے بعد یہ حضرات اپنے آپ کو اہل حدیث اور موحد کہنے لگے اور مقلدین نے ان کو غیر مقلد کہنا شروع کیا۔

تقلید پر کیے جانے والے اعتراضات کی حقیقت

اب ہم چاہتے ہیں کہ مختصراً ان اعتراضات کو زیر بحث لائیں جو عام طور سے تقلید پر وارد کیے جاتے ہیں۔ منکرین تقلید کے اٹھائے ہوئے شبہات کا جواب ملاحظہ فرمانے سے پہلے ایک اصولی بات ذہن نشین کر لیجیے۔

تقلید کی دو قسمیں ہیں، تقلید مشروع و تقلید غیر مشروع۔ تقلید مشروع ایسے مسائل اجتہادیہ میں ہوتی ہے جن میں شرعاً اجتہاد کو دخل ہے اور جنہیں ایسے ائمہ دین نے قرآن و حدیث سے استنباط کیا ہو جو پوری طرح علمی و فقہی حیثیت سے اجتہاد کے اہل ہوں اور جن کا ورع و تقویٰ اور صدق و اخلاص بھی شک و شبہ سے بالاتر ہو اور ان کی یہ صفات، اجتہاد فی الدین اور

استنباط مسائل شرعیہ کی اہلیت امت کے سواد اعظم کے نزدیک مسلم ہوں، ان پر تقلید کرنے والے اس طرح کے مسائل میں ائمہ کرام پر غایت اعتماد کی بنا پر ان کی تقلید کرتے ہیں، اور درحقیقت یہی وہ تقلید ہے جو مستحسن بلکہ واجب ہے، جس کا ثبوت قرآن و حدیث سے، اکابر امت کے عمل سے اور فقہاء و محدثین کے اقوال سے ثابت ہے اور روز روشن کی طرح عیاں ہے جیسا کہ پچھلے اوراق میں اس پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔

تقلید غیر مشروع اس کا نام ہے کہ ایسے مسائل میں کسی کا اتباع کیا جائے جو منصوص ہیں، اور جن میں شرعاً اجتہاد کا دخل نہیں، یا ان کا استنباط کرنے والا اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتا، مثلاً وہ دیندار یا سرے سے مسلمان ہی نہیں یا علم و تفقہ کے اس مرتبہ پر فائز نہیں جو اجتہاد کے لیے ضروری ہے اس لیے اس طرح کی تقلید قبیح بلکہ حرام ہے۔

اس تفصیل پر غور کرنے کے بعد غیر مقلدوں کے تقلید کے مسئلہ پر ہر قسم کے شبہات اور اعتراضات کا اجمالی جواب نکل آتا ہے، بلکہ علماء اہل حدیث کے تمام اعتراضات اور شبہات محض ایک مغالطہ اور دھوکہ پر مبنی معلوم ہونے لگتے ہیں۔ کیونکہ مقلدین کے مقابلہ میں یہ لوگ دعویٰ تو کرتے ہیں تقلید مشروع کے مشروع ہونے کا اور دعویٰ کے ثبوت میں دلائل وہ پیش کرتے ہیں جو تقلید غیر مشروع کے رد میں پیش کیے جانے چاہئیں، محض تعداد اور شمار بڑھانے کے لیے اہل حدیث کے رسائل میں، دلائل تو بہت ذکر کیے جاتے ہیں مگر ان کی حقیقت اور وزن کا اعتبار کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ بہت ہی کم اور اقل قلیل ہیں۔ اس لیے ہم یہاں پر ان کے چیدہ چیدہ دلائل کو بعنوان شبہات ذکر کر کے جوابات لکھے جا رہے ہیں۔

پہلا شبہہ کہا جاتا ہے کہ قرآن حکیم کی آیت ذیل میں تقلید کی مذمت کی گئی ہے :۔

واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا اولو کان اباؤھم لایعقلون شیئا ولا یھتدون ۔

(سورۂ بقرہ ، پ ۲)

جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو ان احکام کی جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ نہیں ، ہم تو اس طریق کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ۔ (حق تعالیٰ بطور رد فرماتا ہے) کیا ہر حالت میں اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے رہیں گے گو ان کے باپ دادا دین کو سمجھتے ہوں اور نہ حق کی راہ پاتے ہوں ۔

جواب : یہ شبہہ سراسر مغالطہ ہے ۔ کیونکہ جن لوگوں کی تقلید کی جاتی ہے وہ دو طرح کے ہوتے ہیں ، ایک کفار اور دوسرے ائمہ مجتہدین ۔ کفار کی تقلید حرام ہے ، اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رد فرمایا ہے ۔ اب رہی بزرگان دین اور ائمہ مجتہدین کی تقلید جو عام طور پر مسلمانوں میں رواج پذیر ہے اس سے کسی بھی آیت یا حدیث میں منع نہیں کیا گیا ہے ۔ غور فرمایئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے باپ دادا کی تقلید کی مذمت کے دو سبب بیان فرمائے ہیں ، ایک یہ کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کو برملا رد کرتے ہیں ، اور انھیں تسلیم نہ کرنے کا اعلان کرتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم اس کے بجائے اپنے باپ دادا کی بات مانیں گے ۔ دوسرے یہ کہ ان کے یہ بزرگ عقل و ہدایت سے بالکل کورے تھے ۔ اور ہم جس تقلید میں گفتگو کر رہے ہیں اس میں یہ دونوں سبب نہیں پائے جاتے جس کی وجہ سے اس آیت میں

آباؤ اجداد کی تقلید سے منع کیا گیا ہے۔

پہلا سبب تو اس طرح نہیں پایا جاتا کہ کوئی بھی تقلید کرنے والا نعوذ باللہ اللہ و رسول کے احکام کو رد کر کے کسی بزرگ کی بات کو ہرگز نہیں مانتا بلکہ وہ اپنے بزرگ کو شارح قرآن و سنت سمجھتا ہے۔ دوسرا سبب بھی ظاہر ہے کہ یہاں نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے کوئی بھی اہل حق انکار نہیں کر سکتا کہ مقلدین جن ائمۂ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں ان سے کسی کو کتنا ہی اختلاف رائے کیوں نہ ہو مگر تمام مخالفین کے نزدیک بھی وہ حضرات ہر اعتبار سے جلیل القدر اور عظیم الشان شخصیتیں ہیں، لہٰذا اس تقلید کو کافروں کی تقلید پر منطبق کرنا سراسر ظلم اور نہایت ہٹ دھرمی ہے۔

دوسرا شبہہ کہا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل آیت میں تقلید کو شرک کہا گیا ہے:-

اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله — انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے بجائے اپنا پروردگار بنالیا۔ (سورہ توبہ، پ۱۰)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی پیشوا کے اوامر و نواہی کی اتباع کرنا شرک ہے لہٰذا ائمہ مجتہدین کی تقلید شرک ہوئی اور تقلید کرنے والے مشرک ہوئے۔

جواب: یہود و نصاریٰ کے رہبان و احبار محض اپنی رائے سے احکام الٰہی کے خلاف لوگوں کو امر و نہی کیا کرتے تھے اور لوگ ان کو مطاع مطلق جان کر ان کی پیروی کرتے تھے اس لیے ایسی تقلید کو شرک کہا گیا ہے۔ بخلاف اس کے اجتہادی مسائل درحقیقت قرآن و حدیث کی مراد و مقاصد کے لیے مظہر ہوتے ہیں اور ان کا اجتہاد قرآن و حدیث سے مستنبط ہوا کرتا ہے۔

ائمہ مجتہدین کا امر وحی از خود نہیں ہوتا اور نہ ان کو مطاع مطلق سمجھ کر ان کی پیروی کی جاتی ہے اس لیے اس تقلید کو کافروں کی تقلید سے کوئی نسبت نہیں اور ائمہ دین کی تقلید کی مخالفت اس آیت کریمہ سے ہرگز نہیں نکلتی۔

تیسرا شبہہ

عن مالك بن انس مرسلا قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تركت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسوله۔

حضرت امام مالکؒ موطا میں مرسلاً روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان پر عمل کرو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت۔

(مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام)

اس حدیث میں کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلعم کو قابل عمل اور گمراہی سے بچنے کا ذریعہ قرار دینا اس امر کی صاف دلیل ہے کہ ان دونوں کے سوا امام کے مسائل اجتہادیہ میں اس کی تقلید کرنا جائز نہیں بلکہ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

جواب: ائمہ مجتہدین مسائل اجتہادیہ کا استنباط اور استخراج قرآن و حدیث ہی سے کرتے ہیں لہذا ان مسائل کو قبول کرنا عین قرآن و حدیث کی تابعداری ہے کیونکہ قرآن و حدیث سے مراد عام ہے خواہ اس کے مسائل ظاہرہ ہوں یا اجتہادیہ۔

چوتھا شبہہ

عن جابر ان عمر بن الخطابؓ

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ ایک روز تورات کا

مسائلِ اختلافیہ کو آپ سے دریافت کر لیا جائے۔ اب دینی کتب احادیث اصول احادیث میں نسخ و موضوعیت اور ضعف وغیرہ کا احتمال موجود ہے۔ اس لیے ان کے ذریعہ اقوالِ ائمہ کو رد الی اللہ والرسول کر کے باطل نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر کسی شخص کو درجہ اجتہاد حاصل ہو جائے تو اس کو حدیث کے مقابلہ میں اقوالِ ائمہ پر عمل کرنا ہرگز درست نہیں۔ لیکن عوام الناس یا عالم غیر مجتہد کے لیے ائمہ اربعہ کی تقلید کے بغیر چارہ نہیں۔

فائدہ: جو لوگ حنفی المذہب ہیں ان کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں اور وہ امام کے قول کے مقابلہ میں عمل بالحدیث ناجائز سمجھتے ہیں نہایت غلط اور سراسر بہتان ہے۔ کیونکہ دارومدار تو عمل بالحدیث ہی پر ہے۔ اور عوام حنفیہ تو اپنی کم مائیگی اور کوتاہ علمی کی وجہ سے ائمہ مجتہدین کی شرح حدیث پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہر قرآن و حدیث پر براہ راست عمل کرنے کیلئے اس کے ناسخ منسوخ عام و خاص کا جاننا ضروری ہے جن کو وہ عامی ہونے کی وجہ سے نہیں جانتے۔ اس لیے کسی جاننے والے کا اتباع کرتے ہیں اور اسی اتباع کو وہ تقلید کہتے ہیں۔

اب وہ لوگ بھی غیر مقلدین جو اپنے آپ کو محمدی کہلاتے ہیں وہ بھی تو ناسخ منسوخ اور عام و خاص جانتے ہیں کسی نہ کسی کا اتباع ہی کرتے ہیں خواہ وہ اصحاب کتب صحاح ہوں۔ یا ائمہ اربعہ یا ابن قیم، ابن تیمیہ اور شوکانی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

چنانچہ حدیث زیارت نبی صلعم کو ابن تیمیہ نے موضوع کہا ہے۔ اور سفر زیارت صلعم کو سفر معصیت قرار دیا ہے۔ اور سفر زیارت میں نماز قصر کرنے کو منع کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں اس کو بسط اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ نعوذ باللہ من هذه العقيدة۔ اور محققین نے

ہیں، قرآن و حدیث پر عمل کرنے والے ہیں اور حضور صلعم کی تابعداری ہی کی غرض سے مسائل اجتہادیہ کا استنباط اور اخراج کرتے ہیں۔

پانچواں شبہہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں تقلید کا وجود نہ تھا لہذا یہ تقلید بدعت ہوئی۔ نیز صحابہ کرام رض افضل امت ہیں اور ائمہ اربعہ ان سے مفضول ہیں اگر تقلید جائز ہوتی تو بجائے ائمہ اربعہ کے صحابہ کرام کی تقلید رائج ہوتی۔

جواب :- زمانہ صحابہ و تابعین اور خیر القرون کے زمانہ میں تقلید کا پایا جانا اور اس کا رواج اوراق سابقہ میں ثابت کیا جا چکا ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ عہد صحابہ و تابعین میں تقلید نہ تھی سراسر غلط اور فریب ہے۔ اب رہا ہمارا یہ دعویٰ کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی تقلید جائز ہے، سو اس کے متعلق ہم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رح کی عبارت پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں :-

وردّ ان اعتقاد افضلية الامام على سائر الائمة مطلقا غير لازم فى صحة التقليد اجماعا لان الصحابة والتابعين كانوا يعتقدون ان خير هذه الامة ابوبكر ثم عمر وكانوا يقلدون فى كثير من المسائل بخلاف قولهما ولم ينكر على ذلك

پہلی بات اس طرح رد کی گئی ہے کہ تقلید کے صحیح ہونے میں بالاجماع یہ اعتقاد رکھنا ضروری نہیں ہے کہ (میرا) امام باقی تمام ائمہ پر مطلقاً فضیلت رکھتا ہے اس لیے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام امت میں افضل حضرت ابوبکر ہیں اور پھر حضرت عمر رض حالانکہ بہت سے مسائل اختلافیہ میں ان

احد فکان اجماعاً علی ما قلناہ۔
(عقد الجید ص[illegible])

دونوں حضرات کے مخالف دوسرے حضرات کی تقلید کیا کرتے تھے اور کسی نے ان پر انکار نہیں کیا لہذا یہ مسئلہ اجماعی ہوا۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کی تقلید اس لیے ہرگز ترک نہیں کی گئی ہے کہ وہ افضل امت نہ تھے حاشا وکلا۔ بلکہ ان کی تقلید اس لیے ترک کی گئی ہے کہ ان کے جملہ مسائل مجتہد فیہا مدون نہیں تھے اور ہم تک پہنچے نہیں۔ بخلاف ائمہ اربعہ کے، ان کے تمام مسائل مدون ہیں اور بآسانی میسر آسکتے ہیں اور ان پر عمل کرنا بہت ہی سہل اور آسان ہے۔

چھٹا شبہہ ائمہ مجتہدین خود اپنی تقلید سے منع کیا کرتے تھے۔ پھر ان کی تقلید کس طرح جائز ہوگی۔ اور اسی طرح دوسرے فقہاء لوگوں کو اس سے روکتے تھے۔ اس شبہہ کے دو جواب دیے جاسکتے ہیں:

جواب اول: یہ کہنا کہ ائمہ مجتہدین خود اپنی تقلید سے منع کیا کرتے تھے، صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ائمہ کرام لوگوں کو جو فتوی دیا کرتے تھے ان کے فتاوے اکثر و بیشتر دلائل اور طریق استدلال سے خالی ہوا کرتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عملی طور پر تقلید کو جائز رکھتے تھے۔ اسی طرح فقہاء کرام سے بھی عملی طور پر تقلید ثابت ہے۔

جواب ثانی: ائمہ مجتہدین نے جہاں پر تقلید سے منع کیا ہے وہ ان لوگوں کو منع کیا ہے جو خود درجہ اجتہاد تک پہنچے ہوئے تھے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں:

"وهو محمول على من له قدرة على استنباط الاحكام

من الكتاب والسنة والاقتداء صرح العلماء بان التقليد واجب على العامي لئلا يضل في دينه "

(میزان الکبریٰ مطبوعہ مصر ص۱۶ ج ۱)

یعنی تقلید کی ممانعت اس شخص کے لیے ہے جو پورے طور پر مجتہد ہو ورنہ علماء کرام تصریح کرتے ہیں کہ غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے تاکہ وہ اپنے دین میں گمراہ نہ ہو۔ اور فقہاء کرام نے بھی تقلید مذموم اور غیر مشروع سے منع کیا ہے نہ کہ تقلید محمود و مشروع سے ۔ صاحب الیواقیت والجواہر فرماتے ہیں :۔

"وھو محمول علی من اعطی قوۃ الاجتہاد واما الضعیف فیجب علیہ التقلید لاحد من الائمۃ والا ھلک وضل " (الیواقیت ص۱۶ ج ۲)

یعنی تقلید کی ممانعت مجتہد کے لیے ہے ورنہ غیر مجتہد پر ایک امام کی تقلید واجب ہے ورنہ وہ برباد و گمراہ ہو جائے گا۔

ساتواں شبہ مولانا روم نے اپنی مثنوی میں متعدد مقامات پر تقلید کی مذمت فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں :

مر مرا تقلید شان بر باد داد
کہ دو صد لعنت بران تقلید باد

اسی طرح سعدی بوستاں کے باب ششم میں لکھتے ہیں :۔

عبادت بتقلید گمراہی است
خنک رہروے را کہ آگاہی است

جواب :۔ یہ بات تو پہلے ہی بیان کی جا چکی ہے کہ تقلید کی دو قسمیں

ہیں ، ایک مشروع اور دوسری غیر مشروع ۔ مولانا روم ؒ نے جس تقلید کی مذمت کی ہے وہ تقلید غیر مشروع ہے جیسا کہ تقلید کو "شان" سے مقید کرنے سے ظاہر ہے ۔

اس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ اس شعر سے پہلے مولانا روم نے ایک صوفی کا قصہ بیان فرمایا ہے جو کہ نا اہلوں کی تقلید میں "خر برفت و خر برفت" کہتا رہتا تھا اور پھر سمجھتا نہ تھا تو اس کے متعلق مولانا روم فرماتے ہیں کہ ایسی تقلید یعنی نا اہلوں کی جو غافل عن الحق ہیں گمراہی ہے ۔ اس طرح جو لوگ گمراہ ہیں ان کی تقلید کی بھی اس کے بعد مذمت فرماتے ہیں :-

خاصہ تقلید چنیں بے حاصلان
کابرو را ریختند از بہر نان

رہی تقلید مشروع جو اہل اللہ اور مقبول بندوں کی ہوا کرتی ہے ، اس کی جا بجا مدح اور تعریف بیان فرماتے ہیں ۔ اسی طرح شیخ سعدیؒ بھی بوستان کے باب ہشتم میں تقلید غیر مشروع کی مذمت فرما رہے ہیں نہ کہ مشروع کی ۔ تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ شیخ سعدیؒ نے اپنے سفر ہندوستان کی حالت اور مکار برہمن کا قصہ بیان کیا ہے ، چنانچہ پہلا شعر یہ ہے :

بتے دیدم از عاج در سومنات
مرصع چو در جاہلیت منات

پھر اس واقعہ کے ضمن میں اس تقلید غیر مشروع کی مذمت کرتے ہیں جو بت پرستوں نے برہمن کی اختیار کر رکھی تھی ۔ بھلا اس کو اہل اللہ اور ائمہ دین کی تقلید سے کیا تعلق ہے جو کہ مشروع بھی اور محمود ہے ۔

آٹھواں شبہ بعض حضرات تقلید کی ضرورت کا انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث سہل اور آسان ہے اس لیے ان سے احکام کے سمجھنے میں کسی کے واسطے کی مطلق ضرورت نہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:-

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ (سورہ قمر)	اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے، کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟

جواب:- اس آیت کے الفاظ پر غور فرمائیے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ قرآن حکیم کی وہ آیات آسان ہیں جو وعظ و تذکیر اور نصیحت و عبرت کے مضامین پر مشتمل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "للذکر" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی قرآن نصیحت کے لیے آسان کیا گیا ہے۔ رہیں وہ آیات جو احکام پر مشتمل ہیں سو ان کا دقیق ہونا بالکل ظاہر و باہر ہے۔ چنانچہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

انزل القرآن علی سبعۃ احرف، لکل آیۃ منھا ظھر وبطن ولکل حد مطلع۔ (مشکوٰۃ شریف بحوالہ شرح السنۃ ص۳۵)	قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، ان میں سے ہر ایک آیت کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی اور ہر حد کے لیے اطلاع کا طریقہ جدا گانہ ہے (یعنی ظاہر کے لیے عربی زبان اور باطن کے لیے قوت فہم)

نواں شبہ غیر مقلدین اعتراض کرتے ہیں کہ مقلدین جہاں کہیں اپنے امام کے قول کو حدیث نبوی صلعم کے خلاف

بھی پاتے ہیں وہاں بھی وہ حدیث کے مقابلہ میں اس قول کو نہیں چھوڑتے حالانکہ خود ان کے امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے، "اترکوا قولی بخبر الرسول" یعنی جہاں کہیں میرے قول کو خبر رسول کے خلاف پاؤ اس کو چھوڑ دو۔

جواب: ایسی حالت میں امام کا قول ہو یا نہ ہو وہ فرمائیں یا نہ فرمائیں حکم نبوی کے خلاف کرنا ایک مسلمان سے قطعاً بعید ہے۔ جو شخص رسول کو برحق جانتا ہو کیا وہ ایسا کر سکتا ہے، اور اس قسم کی جرأت اس سے ممکن ہے کہ زید و عمر کے ایسے قول پر جس کو فرمان نبوی کے خلاف جانتا ہو عمل کرے اور اس کے مقابلہ میں قول معصوم کو چھوڑ دے۔ مسلمانوں پر تو بفحوائے کلام ربانی "ما آتاکم الرسول فخذوہ" یہی لازم اور ضروری ہے کہ آپ ہی کا حکم مانیں اور اسی پر عامل ہوں اور آپ کے فرمان کے مقابلہ میں کسی کی بھی بات نہ مانیں۔ رہی یہ بات کہ مقلدین ایسا اور ویسا کرتے ہیں، سو یہ غیر مقلدین کی افترا پردازی اور بہتان عظیم ہے۔ کیونکہ مقلد اگر عامی اور ان پڑھ ہے تو اس بیچارے کو تو اسی میں تردد ہوتا ہے کہ یہ حدیث جو مخالف نے پیش کی ہے کس درجہ کی ہے۔ موضوع ہے یا غیر موضوع، ضعیف ہے یا صحیح، قابل عمل ہے یا نہیں۔ اور اگر عالم ہے مگر اس کو متقدمین کی طرح علوم دینیہ میں تبحر نہیں، صرف پانچ چھ کتابیں حدیث و فقہ کی پڑھ لی ہیں تو ایسا شخص جب امام صاحب کا کوئی مسئلہ ظاہر حدیث کے خلاف دیکھتا ہے تو اس کو یقین نہیں ہوتا کہ فی الواقع اس کی مؤید کوئی حدیث نہیں ہے۔ کیونکہ صرف چند کتابوں میں حدیث کے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری کتب حدیث میں اس مسئلہ کی مؤید کوئی حدیث نہیں ہے۔

یہ ایک حقیقت ثابت ہے جس پر عقل و نقل دونوں شاہد ہیں کہ کتب متداولہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث اور آپ کے جملہ اقوال و افعال و تقریرات

مندرج نہیں ہیں۔ خیال فرمائیے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جن کا کام ہمہ وقت تعلیم وارشاد تھا، شب و روز میں کتنے کام کرتے ہوں گے۔ کتنی باتیں فرماتے ہوں گے اور صحابہ کرام کے کتنے افعال نظر سے گذرتے ہوں گے اور ان کو پسند فرماتے ہوئے سکوت فرماتے ہوں گے۔ اور یہ سب امور اقسام حدیث میں سے ہیں۔ پس اگر صحاح مروجہ میں کل حدیثیں درج ہوتیں تو ظاہر ہے کہ ایک بار شتر ہو جاتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ پہلے لوگوں کو لاکھوں حدیثیں یاد تھیں۔ اسحاق بن راہویہ کو ستر ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے "اتحاف النبلاء" میں لکھا ہے کہ: "خود اسحاق گفت کہ ہفتاد وصد ہزار حدیث یاد دارم"۔ مگر موجودہ صحاح مروجہ میں کوئی ایک کی ایسی کتاب نہیں جس میں دس ہزار احادیث بھی ہوں۔ جب مروجہ کتب حدیث کا حال یہ ہے تو بہت ممکن ہے کہ ائمہ اربعہ خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ رح کہ شروع میں پیدا ہوئے تھے بوجہ قرب زمانہ نبوی صلعم اپنے مسئلہ فقہیہ کی تائید میں کوئی حدیث رکھتے ہوں جو صحاح مروجہ میں نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث جس کو فریق ثانی نے پیش کیا ہے وہ امام صاحب کے نزدیک قابل احتجاج نہ ہو اس لیے اس کو قبول نہ کیا ہو۔ اور یہ قبول نہ کرنا کسی طرح بھی مذموم اور قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ دیکھیے صحابہ کرام نے بھی بعض اوقات صحیح حدیث کو رد کر دیا ہے۔ چنانچہ صحیحین وغیرہ کتب احادیث میں مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں ناپاک ہو گیا ہوں اور غسل کے لیے پانی نہیں ملتا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو نماز پڑھنے سے منع فرمایا، تب حضرت عمارؓ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ناپاک ہو گیا تھا، پانی نہ ملا تو میں نے

زمین پر لوٹ کر نماز پڑھ لی۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ سنا تو آپ نے تیمم کی تعلیم فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ تم کو کافی تھا ناحق تم مٹی میں لوٹے۔ حضرت عمرؓ کو وہ واقعہ یاد نہیں رہا اس لیے حدیث قبول کرنے میں انھیں تردد ہوا، بلکہ اس حدیث کو بیان کرنے سے بھی حضرت عمارؓ کو روک دیا۔

غور فرمایئے تیمم کے بارے میں یہ حدیث بالکل صحیح ہے حتیٰ کہ طبقۂ ثانیہ میں بے شمار طریقوں سے اس کو روایت کیا گیا ہے اور لوگ جنابت سے تیمم کے قائل ہو گئے۔ مگر حضرت عمرؓ نے حضرت عمار کے بیان کو نہ مانا اور اپنی رائے پر قائم رہے۔

اسی طرح فاطمہ بنت قیس نے حضرت عمرؓ سے بیان کیا کہ میں مطلقۂ ثلثہ ہو گئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے نفقہ و سکنیٰ کچھ مقرر نہیں فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو نہیں مانا اور فرمایا کہ میں ایک عورت کے کہنے سے (خدا جانے سچ کہتی ہے یا جھوٹ بولتی ہے) کتاب اللہ کو نہ چھوڑوں گا۔

غور فرمایئے کہ حضرت عمرؓ نے ان احادیث کو قبول نہیں مانا۔ کیا ان کے دل نے قبول کر لیا تھا کہ بلاشبہ یہ فرمان نبی ہے اور اس کا مطلب جو یہ لوگ سمجھے ہیں وہی درحقیقت رسول اکرمؐ کی مراد تھی، پھر بھی وہ اپنی رائے پر قائم رہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسی بات تو وہی شخص اپنی زبان سے نکالے گا جو صحابہ کا اور حضرت عمرؓ کا دشمن ہوگا۔ بلکہ وجہ یہ تھی کہ یا تو حضرت عمرؓ کو صدق حدیث ہی میں تامل ہوا یا وہ یہ سمجھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کچھ اور ہوگی اور یہ لوگ کچھ اور سمجھ گئے ہیں۔

پس اسی طرح مقلدین کو قول نبوی تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں ہوتا بلکہ تسلیم نہ کرنے کی وجہ بھی یہی ہوتی ہے کہ ان کو قول نبی ہونے میں تردد اور شک ہوتا ہے

یا یہ سمجھتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے امام نے اس حدیث کو کمزوری کی وجہ سے قابل احتجاج نہ جانا ہو۔ مقلدین یہ سمجھ کر کہ ائمہ مجتہدین اعرف بالسنۃ تھے ان کے بیان کردہ مسائل کتاب وسنت سے مستنبط ہیں، اپنے اپنے امام کے قول پر عمل کیا کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں ترک حدیث کا الزام ان پر ہرگز عائد نہیں ہوتا۔ اگر ہر حال میں ایسا "ترک حدیث" باعث الزام ہے تو پھر سب سے پہلے صحابہ کرام کی مقدس جماعت پر اعتراض عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات وہ حضرات بھی حدیث کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے تھے اور اپنی رائے پر قائم رہتے تھے جیسا کہ اوپر بیان کردہ حضرت عمرؓ کے واقعہ سے ظاہر ہے۔ ہاں ترک حدیث کا الزام مقلد پر اس وقت عائد ہوتا ہے جبکہ مقلد کو اچھی طرح معلوم ہو کہ یہ قول نبوی ہے اور اس میں کوئی امر قادح بھی نہیں ہے اور ہمارے امام کا قول صراحتاً اس کے خلاف ہے پھر بھی وہ حدیث کے مقابلہ میں اپنے امام کے قول کو ترجیح دے اور اس پر عمل کرے۔

لیکن یہ بات یاد رہے کہ یہ درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب آدمی درجۂ اجتہاد کو پہنچ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں امام ابو حنیفہؒ کے قول "اترکوا قولی ۔۔" کے متعلق تحریر فرمایا ہے: وھو محمول علی من اعطی قوۃ الاجتہاد۔ یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن پاک میں جو "فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول" وارد ہوا ہے اور اس آیت کریمہ میں اللہ اور رسول کی طرف اختلاف کے وقت رجوع کرنے کا حکم ہے، تو یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس میں اس کی صلاحیت بھی ہو، ہر شخص کا یہ کام نہیں۔

آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس دنیا میں موجود نہیں کہ

اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنسخة من التوراة فقال یا رسول اللہ هذه نسخة من التوراة فسكت (الی ان قال) فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیده لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموه وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل"

(مشکوۃ شریف)

ص۳۲

ایک نسخہ لے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اے رسول خدا یہ توراۃ کا نسخہ ہے۔ آپ خاموش رہے۔ انھوں نے پڑھنا شروع کیا۔ آپ کے چہرۂ مبارک سے ناراضگی کے آثار نمایاں ہونے شروع ہو گئے (اس حدیث کے آخر میں ہے) کہ حضور پُر نور نے فرمایا قسم اس ذات کی کہ محمد کی جان جس کے قبضہ میں ہے۔ اگر تمہارے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہو جائیں اور تم مجھ کو چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو تو تم سیدھے راستے سے بہک جاؤ گے"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ چھوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولو العزم پیغمبر کی تقلید اور تابعداری جائز نہیں تو کسی امام یا مجتہد کی کس طرح جائز اور درست ہو سکتی ہے۔

جواب:- حضرت موسیٰ علیہ السلام شریعت مستقلہ کے پیغمبر ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت شریعت موسویہ کے لیے ناسخ ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی جاتی تو مسائل منسوخہ میں بھی اتباع کرنا ہوتی جو شریعت محمدیہ کے انکار کو مستلزم ہے اور صریح کفر ہے، اسی لیے "وترکتمونی" ارشاد فرمایا گیا۔ اور ائمہ مجتہدین کی تقلید میں عین اتباع رسول مسلم ہے اس لیے کہ یہ حضرات حضور پُر نور صلعم کے امتی ہیں آپ کے فرمانبردار

اس کو بھی طرح رد کیا ہے اور حدیث زیارت کو حسن یا صحیح کہا ہے تو اب جو لوگ اپنے آپ کو محمدی قرار دیتے ہیں اور زیارت سے منع کرتے ہیں وہ متبع حافظ ابن تیمیہ ہوئے جن کا عقیدہ اللہ جل شانہ کے بارے میں یہ ہے:

انہ بقدر العرش لا اصغر ولا اکبر	اللہ تعالیٰ بقدر عرش کے ہے، نہ اس سے چھوٹا ہے اور نہ بڑا۔

تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا

ان کے اس عقیدہ کو بھی علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاوی میں ذکر کیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

اب ہم ان غیر مقلدین سے دریافت کرتے ہیں کہ بغیر کسی ماہر فن کی اتباع اور تقلید کے تم نے کہاں سے جانا کہ یہ حدیث صحیح ہے، یہ ضعیف، یہ موضوع اور یہ ناسخ اور منسوخ ہے۔ ان چیزوں کے جاننے والے محدثین ہیں یا ائمہ مجتہدین۔ پھر یہ تو ان کی تابعداری اور تقلید ہوئی۔ پھر آپ محمدی کہاں سے ہو گئے۔

تنبیہ: تقلید کی مخالفت کرنے والے غیر مقلدین اپنی کتابوں میں تقلید ممنوع کو تو خوب بیان کرتے ہیں اور اس کے دلائل قرآن و حدیث سے لاتے ہیں مگر تقلید مشروع کو ہاتھ نہیں لگاتے حالانکہ قرآن و حدیث اور علماء حق کی تصنیف کردہ کتابوں میں تقلید مشروع کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔

خوب یاد رہے کہ جن آیات میں تقلید کی ممانعت ہے اور جن حضرات نے تقلید کو ناجائز کہا ہے وہ ممانعت سب کے حق میں عام نہیں ہے۔ بلکہ عامی کو عامی کی تقلید اسی طرح مجتہد کو کسی دوسرے مجتہد کی تقلید ممنوع اور

ناجائز ہے نہ کہ مطلقاً۔ کیونکہ مجتہد کو اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا ہوگا اور عامی کو عالم اور صاحب اجتہاد کی تقلید اور پیروی کرنی ہوگی اور یہی حکم عالم غیر مجتہد کا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ کتب فقہ معتبرہ پر عمل کرتے ہیں تو درحقیقت یہ عمل قرآن و حدیث کے موافق ہوگا کیونکہ وہ مسائل قرآن و حدیث ہی سے نکالے گئے ہیں ایسے لوگوں کو مشرک کہنا بے جا جسارت بلکہ جہالت ہے۔

بعض لوگ فقہ سے نفرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فقہ لوگوں نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اور ائمہ مجتہدین کو برا کہتے ہیں، ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور فقہاء کرام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ یہ بات ان کی غلط اور جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ ائمہ مجتہدین تو تمسک قرآن و حدیث ہی سے کرتے ہیں اور انہی سے مسائل جزئیہ کا استنباط کرتے ہیں۔ چنانچہ "اشباہ والنظائر" میں ہے کہ فقہ حدیث کا ثمرہ ہے، یعنی متخرج من الحدیث ہے۔ اور فقیہ کا ثواب کسی طرح محدث سے کم نہیں۔ اسی طرح علامہ قسطلانی نے مقدمہ شرح بخاری میں نقل کیا ہے:

"ولیس ثواب الفقیہ دون ثواب المحدث فی الآخرۃ ولا عزۃ باقل عز المحدث"

دسواں شبہ

ائمہ اربعہ کی تقلید پر اہل حدیث کا ایک مشہور اعتراض یہ ہے کہ نزاعی اور اختلافی مسائل میں اہل حق کے نزدیک ایک جانب ہی حق منحصر ہو سکتا ہے۔ اگر دونوں جانب حق تسلیم کیا جائے تو اجتماع متناقضین ماننا پڑے گا جو عقلاً محال ہے۔ تو یہ کس طرح مانا جا سکتا ہے کہ چاروں مذاہب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی برحق ہیں جبکہ بہت سے مسائل میں ان ائمہ کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ ایک امام

کہتا ہے کہ نماز میں امام کے پیچھے مقتدیوں پر قرأۃ فاتحہ واجب یا مستحب ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ حرام و مکروہ ہے۔ کسی امام کے نزدیک چند مواقع متعینہ میں رفع یدین مسنون ہے تو دوسرے کے نزدیک رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت سنت ہے۔ کوئی آمین بالجہر کو سنت دائمہ بتلاتا ہے تو دوسرا اخفا کو سنت قائمہ کہتا ہے۔ اسی طرح اور بہت سے مسائل میں مختلف اختلاف پایا جاتا ہے۔ اب اگر چاروں مذہبوں کو برحق مانا جائے تو اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ قرأۃ مقتدی پر واجب بھی ہے اور حرام بھی۔ رفع یدین مواقع معلومہ میں سنت بھی ہے اور غیر سنت بھی۔ اور آمین بالجہر مسنون بھی ہے اور غیر مسنون بھی۔ یہ تو وہی اجتماع متناقضین اور اضداد کا جمع ہونا ہے جو تمام عقلاء کے نزدیک ممتنع اور محال ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی ایک کو حق کہا جائے اور باقی دوسروں کو ناحق تو ترجیح بلا مرجح ہوگی اور یہ مشکل ہوگی کہ کس کو حق کہیں اور کس کو ناحق۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ ان ائمہ میں سے کسی کی تقلید اور پیروی ترک کی جائے بلکہ صرف قرآن اور حدیث کی پیروی کی جائے۔

یہ ہے شبہ کی وہ تقریر جس سے عوام کو ائمہ ہدیٰ کی پیروی اور ان کی تقلید سے روکا جاتا ہے اور قرآن و حدیث کی آڑ میں اپنا معتقد اور پیرو بنایا جاتا ہے۔

اس شبہ کے دو جواب ہیں۔ ایک اجمالی اور دوسرا تفصیلی۔

جواب اجمالی: ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک امام نے بے شمار جزئی مسائل کو آیات محتمل المعانی سے اس طرح ثابت کیا ہے کہ معانی محتملہ سے ایک معنی کو بقرائن و شواہد راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دے کر راجح معنی پر بنائے مسئلہ قائم کی اور مرجوح معنی کی طرف التفات نہیں کیا۔ اسی طرح

حدیث مثنا وقفہ سے مسائل جزئیہ کو اس طرح سے اخذ کیا ہے کہ اپنی تحقیق و تفتیش کے مطابق حسب قواعد و ضوابط ترجیح دے کر ایک حدیث کو معمول بہ قرار دیا اور دوسری حدیث کو متروک اور غیر معمول بہ سمجھا۔ اس طرح سے ہر امام کے نزدیک جو مسائل ثابت ہوتے گئے وہ کتابوں میں مدون ہوتے گئے۔ آخر کار ان مجموعۂ مسائل کا نام مذہب و مسلک مشہور ہو گیا۔

اب چونکہ انسان فطرتاً فراست و فقاہت میں مختلف المراتب ہیں جیسا کہ آیت قرآنی "فوق کل ذی علم علیم" اس پر شاہد ہے۔ اور نیز اسباب ترجیح محدثین اور مجتہدین میں مختلف فیہ ہیں۔ کسی کے نزدیک مدار ترجیح سند کی قوت و ضعف ہے اور کوئی تقدم و تاخر زمانہ کو مدار ترجیح قرار دیتا ہے اور کوئی صحابہ کے تفاضل، تواتر کو اور کوئی رُواۃ کے اوصاف کو ترجیح کا مدار سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر محدثین رواۃ کی جرح و تعدیل میں بہت زیادہ مختلف الخیال ہیں۔ اب چونکہ اسباب ترجیح میں اور ارباب علم و اجتہاد میں فطرتاً مختلف الاستعداد ہیں تو ضروری نہیں ہے کہ جو جانب ایک امام کے نزدیک راجح ہو وہ دوسرے کے نزدیک بھی راجح ہو — ہو سکتا ہے کہ معاملہ برعکس ہو۔ اور یہ بھی اسی طرح جیسا کہ بہت سے مسائل جزئیہ میں ائمہ کے باہمی اختلافات ظاہر ہے۔ چونکہ اس اختلاف کا منشاء اور مبنیٰ در حقیقت تحقیق حق اور طلب صادق ہے اس لیے بمقتضیٰ (اختلاف امتی رحمۃ) امت کے حق میں باعث رحمت ہے۔ اور یہ اختلاف ہر طرح جیسا کہ عہد اولین عہد رسولؐ ہے۔ چنانچہ آپ کے زمانہ سے برابر چلا آ رہا ہے اور تاقیامت رہے گا جو شخص دنیا میں اس اختلاف کو مٹانا چاہے وہ نہایت نادان ہے وہ قوت اور فطرت خداوندی کا مقابلہ کرتا ہے جو عادتاً محال ہے۔

اب ہم مدعیان اہل حدیث سے دریافت کرتے ہیں کہ جس طرح ان ائمہ عظام نے مسائل کو ثابت کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے کہ آیت محتمل المعانی سے کسی ایک معنی کو لیتے ہیں اور کسی کو ترک کرتے ہیں۔ اسی طرح احادیث میں سے کسی حدیث پر اسے راجح سمجھ کر عمل کرتے ہیں اور کسی کو مرجوح خیال کر کے متروک العمل قرار دیتے ہیں۔ کیا تم بھی اثبات مسائل کا یہی طریقہ اختیار کرتے ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ؟ اگر تمہارا طریقہ بھی وہی ہے جو ائمہ اربعہ کا تو پھر کیوں نیا اور کس وجہ سے ان مذاہب اربعہ کو تو چھوڑ دیا جائے اور تمہارا مسلک اختیار کیا جائے۔ نہ تم جملہ معانی محتملہ قرآنی پر عامل ہو نہ وہ حضرات۔ اور اسی طرح نہ تم جمیع احادیث مرویہ پر عمل پیرا ہو اور نہ ان حضرات نے عمل کیا ہے۔ تو پھر تمہارے مسلک نوایجاد کو ان مذاہب پر کیا فوقیت اور برتری ہے علاوہ ازیں ان مذاہب میں سے ہر مذہب کو اپنے سوا تین مذہبوں سے اختلاف ہے اور بقول آپ کے یہ اختلاف وجہ ہے کہ وہ ترک کے قابل ہیں۔ تو پھر تمہارے مذہب کو تو چار مذاہب سے اختلاف ہے تو یہ پانچواں مذہب کیوں قابل ترک نہ ٹھیریگا جبکہ اختلاف ہی ترک کو مقتضی ہے تو وہ چار ہوں یا پانچ ہوں سب ہی متروک العمل ہونے چاہئیں۔ اور اگر یہ خیال ہے کہ ہمارا طریق عمل قابل اتباع ہے اور ان ائمہ کا طرز عمل قابل ترک ہے؛ کیونکہ ان ائمہ کو احادیث رسول میسر نہیں ہوئی اور ہم کو نصیب ہوئی تو یہ خیال کوئی بھی ہوش مند اور سلیم العقل کیوں قبول کریگا!

بھلا جن لوگوں کو خیر القرون صاحب شریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قرب حاصل ہو اور صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کا شرف صحبت اور ملاقات میسر ہو اور سلسلہ روایت میں دو تین واسطوں سے زاید کی ان کو

ضرورت نہ ہو اور زہد و تقویٰ میں ضرب المثل ہوں اور تحصیل علم میں ہر طرح جواں
دیوانہ ہوں۔ ان کو تو اجابت حق حاصل نہ ہو اور جن کو ان فضائل جلیلہ میں سے
کوئی معتدبہ حصہ نہ ملا ہو ان کو نفس الامری حق میسر ہو جائے کس قدر لغو خیال
اور مضحکہ خیز بات ہے!

"کبرت کلمۃ تخرج من افواہہم ان یقولون الا کذبا"

ایں ہمہ سالقین کو تو عامل بالقرآن والحدیث نہ کہنا اور اپنے گروہ قلیلہ
کو اس نام کے ساتھ موسوم کرنا سراسر ہٹ دھرمی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟
غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید شرک و بدعت ہے اور مقلدین
گمراہ ہوں گے نافرمان ہیں، دوزخ ان کا مقام ہے، تقلید کو چھوڑو اور قرآن
و حدیث پر عمل کرو۔ کس قدر غلو اور باطل ہے۔ ذرا انصاف فرمایئے
جبکہ غیر مقلدین کا عمل بھی وہی ہے جو حضرات ائمہ کا تھا۔ یعنی راجح پر عمل کرنا
اور مرجوح کو چھوڑ دینا۔ تو پھر ائمہ ہدیٰ کی پیروی سے عمل بالقرآن والحدیث
کیوں حاصل نہ ہوگا اور ان کی پیروی سے کیسے حاصل ہو جائے گا۔ ارباب
دانش ذرا غور فرمائیں کہ متقدمین کی تابعداری بہتر ہے یا پچھلے تنگ خیال
لوگوں کی!

درحقیقت سلف صالحین کی تقلید سراسر رشد و ہدایت ہے اور
ان غیر مقلدین کی کورانہ تقلید سراپا گمراہی ہے۔ حق بات یہ ہے کہ جن لوگوں
کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا شرف حضوری حاصل نہیں ہے ان کو بغیر تقلید کے
کوئی چارہ کار نہیں۔ ہاں اگر نظم قرآن میں تعدد معانی نہ ہوتا اور احادیث
میں تعارض اور تناقض نہ پایا جاتا اور طبائع انسانی مختلف الاستعداد
نہ ہوتیں تو تقلید سلف کی چنداں ضرورت نہ ہوتی، مگر جبکہ یہ سب امور

موجود اور تحقیق نہیں تو پھر سلف کی تقلید نہایت ضروری اور لازمی ہے۔

تفصیلی جواب:۔ قرآن وحدیث کے مضامین میں اگر غور وفکر سے کام لیا جائے تو ان تمام مضامین کی چھ قسمیں نکلتی ہیں:

(۱) اعتقادیات، جن پر قطعی ایمان اور پختہ یقین کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

(۲) وہ اعمال واشغال جن کا مقصد تزکیۂ نفس اور تہذیب اخلاق ہے۔

(۳) قصص، حکایات یا امثال وغیرہ جن سے ترغیب وترہیب مقصود ہے۔

(۴) وہ قطعی اور غیر متعارض احکام، جن کا تعلق طریق عبادات، تشریع معاملات سے ہے۔

(۵) وہ فروعی احکام جو آیات واحادیث متعارضہ سے ثابت کیے جاتے ہیں۔

(۶) وہ احکام جو آیات واحادیث سے صراحتاً ثابت نہیں ہوتے بلکہ دلالۃً یا اقتضاءً یا اشارۃً یا اور کسی طریقۂ خفیہ سے سمجھے جاتے ہیں اور ان میں اجتہاد کو دخل ہے یعنی مسائل قیاسیہ۔

اول چار قسم کے مضامین قرآن وسنت کا لب لباب ہیں، ان کے مقاصد بہت کھلے ہیں اور ان پر کاربند ہونا نفوس انسانی کے لیے ذریعۂ نجات اور موجب فلاح ہے، اور یہی وہ مضامین عالیہ ہیں جن پر صحابۂ کرام سے لے کر اب تک تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق رہا ہے، اور انہی اعتقادات و اعمال پر فرقۂ ناجیہ کا دوسرے تمام باطل فرقوں سے امتیاز کا

دارومدار رہا ہے اور یہی فرقہ ارشادِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم " ما انا علیہ واصحابی " کا مصداق ہے۔ ان مضامین میں ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ متفق اور صحابہ کرام کے نقشِ قدم پر گامزن اور عامل بالقرآن والحدیث ہیں۔

رہی پانچویں قسم، چونکہ وہ احکام ہی اس طرح کے ہیں کہ ان کے بارے میں آیاتِ محتمل المعانی یا احادیث متعارضہ وارد ہوئی ہیں اس لیے ان احکام میں خود شارع علیہ السلام نے اجتہاد کا حکم صادر فرمایا ہے جیسا کہ حدیثِ معاذ سے ظاہر ہے۔ اس کی تعمیل حضرات صحابہ نے بھی کی ہے اور ائمۂ اربعہ نے بھی۔ لہٰذا اس میں بھی ائمۂ اربعہ صحابہ کرام کے متبع اور پیرو ہیں۔ صحابہ کرام نے بعض مواقع پر صحیح حدیث کو کسی آیت یا کسی مشہور حدیث سے متعارض ہونے کی بنا پر چھوڑ دیا ہے۔

دیکھیے، حضرت عمر فاروق رض اور حضرت عائشہ رض نے فاطمہ بنت قیس کی اس حدیث کو رد کر دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ معتدۃ الثلاث کا سکنیٰ اور نفقہ واجب نہیں، اور اس کے مقابلہ میں آیتِ قرآنی " وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین " سے استدلال کیا ہے۔ اور حضرت عائشہ رض نے حدیث " المیت یعذب ببکاء الحی علیہ " کو آیتِ قرآنی " ولا تزر وازرۃ وزر اخری " سے متعارض سمجھ کر رد فرما دیا۔ اسی طرح شبِ معراج میں رؤیتِ باری تعالیٰ کا مسئلہ صحابہ میں مختلف فیہ رہا ہے بعض حضرات بوجہ آیت " لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار " رؤیتِ باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور بعض اس کو ثابت کرتے ہیں۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ کس کا قول صواب ہے اور کس کا خطا ہے، ہمارا مقصد تو یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ صحابہ کرام میں کسی حدیث کا رد یا انکار

باوجود دوسری دلیل قوی کے مرجح اور معمول بہ رہا ہے۔ لہذا یہ طریقہ بھی سنت صحابہ میں داخل ہے جو آج تک ائمہ اربعہ اور محدثین کبار میں جاری وساری ہے۔ پس جس طرح صحابہ کرام باوجود اس رد و انکار کے عامل بالقرآن والحدیث ہیں اسی طرح ائمہ اربعہ اور محدثین بھی ہرگز ہرگز عمل بالقرآن والحدیث سے باہر نہیں ہیں۔ ان پر یہ الزام عائد کرنا کہ انھوں نے قرآن وحدیث کو چھوڑ دیا ہے، محض فریب نفس اور مغالطہ ہے۔

نیز جس طرح صحابہ کرام باوجود بعض مسائل میں اختلاف باہمی کے جنتی اور راہ یاب ہیں جیسا کہ حدیث رزین کا یہ جملہ "فمن اخذ بشیء مما هم عليه من اختلافهم فهو عندي على هدى" مشیر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نصوص محتمل المعانی اور احادیث متعارضہ میں مقصود شارع یہ ہے کہ علماء امت تعیین مراد میں نیک نیتی کے ساتھ اجتہاد واستنباط کریں۔ اگر اصابت رائے حاصل ہوگئی تو دوہرا ثواب ملے گا ورنہ ایک ثواب تو ضرور ہی ملے گا۔ اللہ ورسول کے نزدیک اس تلاش وجستجو ہی کا نام ہدایت اور ہدی ہے، صرف اصابت رائے ہی کا نام ہدایت نہیں۔

درحقیقت ہدی وہدایت اس طور و طریقہ پر چلنے کو کہتے ہیں جو خدا اور اس کے رسول کو پسند ہے۔ اسی وجہ سے حدیث رزین میں ارشاد ہے "فهو عندي على هدى" لہذا یہ خیال سراسر غلط ہے کہ جس کو اصابت حق نہیں ہوئی وہ گمراہ ہے ورنہ بعض صحابہ کو مختلف فیہ مسائل میں معاذ اللہ گمراہ کہنا شرعاً جائز اور درست ہوگا حالانکہ ایسا کہنا بھی ذی ہوش کے نزدیک درست نہیں بلکہ از روئے حدیث بالا بھی راہ یاب اور مہتدی ہیں۔ دراصل گم کردہ راہ اور گم کردہ مقصود میں بہت بڑا فرق ہے۔ اول کو شرعاً ضال کہتے ہیں جو راہ حق

کا تارک اور اصل مقصود کا فاقد ہے اور دوسرے کو مہتدی کہتے ہیں جو مستحق ثواب ضرور ہے اگرچہ مصیب حق نہیں۔ اور اگر مصیب حق بھی ہو تو وہ مہتدی بھی ہوگا اور مفلح بھی کہلائے گا۔ اس طرح طالب شی کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

اوّل، ضال، جو راہ اور مقصود دونوں کا تارک ہوتا ہے۔

دوم، مہتدی خاطی، جو راہ یاب ہے حق یاب نہیں مگر مستحق ثواب ضرور ہے۔

سوم، مہتدی مصیب، جو راہ یاب بھی ہے اور حق یاب بھی۔ یہ دوہرے ثواب کا مستحق ہے۔

اب یہاں سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ مذاہب اربعہ کے برحق ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان کو اختیار کرنے والے سب عند اللہ راہ پسندیدہ پر چلنے والے ہیں اور سب اللہ کے نزدیک ماجور و مشکور ہیں۔ کسی کی خطا و غلطی پر ان شاء اللہ مواخذہ و مناقشہ نہ ہوگا، یہ معنی نہیں کہ سب مصیب حق ہیں، کیونکہ یہ تو بدیہی البطلان ہیں۔ اس لیے کہ حق متعدد نہیں ہو سکتا۔ حق تو نفس الامر میں ایک ہی ہو سکتا ہے۔ نیز یہاں پر اس فرق کو بھی خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ راہ حق پر چلنا اور چیز ہے اور حق پر پہنچ جانا اور چیز ہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے مذاہب اربعہ کو علی الحق کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سب کے سب شارع کے پسندیدہ طریقے پر گامزن ہیں۔ اور دوسرے معنی کے لحاظ سے "المجتہد یخطی و یصیب" ہر مجتہد کا مسلمہ مسئلہ ہے۔ کیونکہ ہر مذہب میں خطا و صواب کا احتمال ہے۔

الحاصل آیات متعارضہ اور احادیث متناقضہ میں جو مسلک صحابہ کرام کا تھا وہی بعینہٖ ائمہ اربعہ کا ہے، سر مو فرق نہیں۔ لہذا جس طرح حضرات صحابہ

مجتہد تھے اسی طرح حضرات ائمہ اربعہ بھی مجتہد ہی ہیں۔ اہل حدیث ہزار بار سر پٹخیں تفرقہ کی کوئی وجہ موجہ بیان نہیں کر سکتے۔ ولو کان بعضہم لبعض ظہیرا۔

اب رہا قرآن وحدیث کے مضامین کی چوتھی قسم کا معاملہ یعنی وہ احکام جو آیات واحادیث سے صراحتاً ثابت نہیں ہوتے بلکہ دلالتاً یا اشارۃً یا اقتضاءً یا اور کسی مخفی طریقہ سے سمجھے جاتے ہیں، اور ان میں مجتہدین اجتہاد کرتے ہیں۔ جن کو مسائل قیاسیہ کہا جاتا ہے تو اس میں تو کوئی اشکال ہی نہیں کیونکہ یہاں ایک قیاس دوسرے قیاس سے متعارض ہوتا ہے کسی آیت یا حدیث سے تعارض نہیں ہوتا اور اس کے متعلق اللہ اور اس کے رسول نے صاف ارشاد فرمایا ہے کہ جب آیت وحدیث سے کسی مسئلہ کا پتہ نہ چلے تو اپنی رائے سے اجتہاد واستنباط کرو۔

حدیث معاذؓ ملاحظہ کیجیے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ۔ لہذا مجتہدین کے اجتہاد کی ضرورت دو ہی مقام پر ہوتی ہے۔ ایک وہاں کہ جہاں پر دلائل متعارضہ یا النصوص محتمل المعانی کسی امر کے متعلق وارد ہوں۔ اور دوسرے اس جگہ کہ آیات واحادیث سے صراحتاً ایک چیز کا حکم اور حال نہ معلوم ہوتا ہو تو لامحالہ وہاں پر بذریعہ قیاس صحیح اس کا حکم دریافت کیا جائے گا۔ ایسے ہی احکام کو مسائل قیاسیہ یا احکام مستنبط کہا جاتا ہے، اور یہی وہ مواقع ہیں جہاں پر رائے اور اجتہاد سے کام لینا شرعاً محمود ہے۔ اور یہ طریقہ اللہ اور رسول کو پسند ہے، اس میں اصابت حق ہو یا نہ ہو ثواب اور اجر ضرور ملیگا لہذا ائمہ مجتہدین ان آخری دو قسموں میں بھی عامل بالقرآن والحدیث ہیں،

جس طرح پہلے چار قسموں میں عامل بالقرآن والحدیث تھے۔ لہٰذا سفہائے زمانہ کا یہ زعم کہ ائمہ اربعہ کی تقلید اور ان کی اتباع میں عمل بالقرآن والحدیث ہاتھ سے جاتا رہتا ہے، محض نادانی اور تلبیس شیطانی ہے۔

اچھا اگر ان کو یہ خیال بالفرض صحیح بھی مان لیا جائے تو کیا ان سفہاء کی پیروی میں یہ بات نہیں ہے؟ یقیناً ہے۔ ان کا مسلک نہ تمام احادیث کے مطابق ہے اور نہ تمام صحابہ کے موافق۔ انھوں نے مذاہب اربعہ سے کچھ کاٹ چھانٹ کر ایک نیا مسلک قائم کر لیا ہے۔ اس میں بھی یہ خدشہ موجود ہے جو دوسرے مذاہب میں ہے۔ پھر فقہائے کاملین کی اتباع چھوڑ کر ان کی پیروی کرنا کونسی عقلمندی ہوگی اور اس میں کونسا زائد ثواب ہے۔

اعاذنا اللہ تعالیٰ عن امثال ہٰذہ الوساوس۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اندھی تقلید

کہا جاتا ہے کہ اندھی تقلید کی مخالفت ہے۔ کورانہ اور جامد تقلید سے روکا جاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ اندھی اور جامد تقلید کیا ہے اور کون اس کا داعی اور مبلغ ہے۔

ہمارے دور میں اندھی تقلید کا مفہوم ہی غلط سمجھا گیا ہے۔ قرآن کی نظر میں کورانہ تقلید یہ ہے کہ گمراہی اور بے عقلی کی تقلید کی جائے۔ قرآن پاک نے جہاں کہیں تقلید کی مذمت کی ہے اسی قسم کی تقلید کی کی ہے۔ جب کبھی قرآن نے کفار کی بے تکی اور نامعقول باتوں پر دلائل کا مطالبہ کیا، قرآن کے پاس ایک ہی جواب تھا۔

وقالوا انا وجدنا آباءنا علی امۃ وانا علی آثارھم مقتدون۔

کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادوں کی روش یہی دیکھی ہے اس لیے ہم انہی کے نقش قدم پر چلیں گے۔

اس پر قرآن مجید نے جو اعتراض کیا وہ یہ نہیں تھا کہ آباؤ اجداد کی تقلید غلط ہے، بلکہ یہ تھا۔

اولو کان آباؤھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون۔

تمہارے باپ دادوں میں عقل و ہدایت کا کوئی شمہ بھی نہ ہو پھر بھی تم انہی کی تقلید کیے چلے جاؤ گے۔

دوسری جگہ ذرا نرم لہجہ میں ارشاد ہے:-

قٰل اولو جئتکم باھدیٰ
مما وجدتم علیہ آباءکم
قالوا انا بما ارسلتم بہ
کافرون ۔

آپ کہہ دیجئے اگرچہ میں تمہارے
سامنے وہ راہ پیش کروں جو اس
سے کہیں زیادہ بہتر ہو جس پر تم نے
اپنے باپ دادوں کو پایا ہے ؟
انھوں نے جواب دیا جو طریق تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم تو اسے مان نہیں
سکتے "

اس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ اگر ان کے آباؤ اجداد میں عقل کی روشنی اور نور ہدایت ہوتا تو قرآن کو ان کی تقلید پر کوئی اعتراض بھی نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی نظر میں کورانہ اور اندھی تقلید گمراہی اور بے عقلی کی تقلید کرنا ہے اور اس کے بالمقابل روشن خیالی یہ ہے کہ ہدایت اور عقل کی بات کی پیروی کی جائے۔

آج کے دور میں عالم غیب کی بلند سے بلند حقائق، الہیات کے عمیق سے عمیق معارف اور اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کی ان تمام باتوں کو ان کے اعتماد پر مان لینا جن کو ان کی بھی نظروں نے خود دیکھا یا فہم سلیم سے اچھی طرح سمجھا کورانہ اور اندھی تقلید کہلاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں یورپ کے فلاسفروں اور مؤرخوں کی نامتمام اور ادھوری تحقیقات کو پورے یقین کے ساتھ مان لینا روشن خیالی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو اختلاف دلائل کے ہونے اور نہ ہونے کا نہیں بلکہ اعتماد اور بے اعتمادی کا ہے۔

عصر حاضر کے موجدین اور سائنس والوں پر چونکہ پورا اعتماد

حاصل ہے اس لیے ان کی باتیں دلیل سے یا بے دلیل ماننا روشن خیالی میں شمار ہے اور انبیاء علیہم السلام پر چونکہ دل کی گہرائیوں میں وہ یقین حاصل نہیں ہوتا اس لیے یہاں ان کی تصدیق کے لیے ان کے فرمان سے بھی بڑھ کر کسی اور دلیل کی ضرورت باقی رہتی ہے، اور ان کی باتیں بے دلیل ماننا اندھی اور جامد تقلید نظر آتی ہے۔

اسی طرح قرآن و سنت پر عمل پیرا ہونے کے لیے ائمہ مجتہدین کو شارح قانون مان کر ان کی شرح و تعبیر پر اعتماد کرنا اور ان کی پیروی کرنا ایک طبقہ کے نزدیک اندھی تقلید ہے اور اس کے مقابلہ میں خود رائی اور آزاد روشی اور کج روی کے منفردات پر عمل پیرا ہونا روشن خیالی سمجھا جاتا ہے۔ فیا للعجب!

علامہ شعرانی اپنی کتاب "المیزان" میں لکھتے ہیں،

"اے عزیز اگر تو بہ نظر انصاف دیکھے گا تو یہ حقیقت منکشف اور واضح ہو جائے گی کہ ائمہ اربعہ اور ان کے مقلد سب کے سب طریق ہدایت پر ہیں۔ اور یہ امر ذہن نشین ہو جائے گا کہ ائمہ اربعہ کے مسالک شریعت مطہرہ میں داخل ہیں۔ اور ان کے مختلف اقوال امت کے لیے رحمت ہو کر نازل ہوئے ہیں۔"

امام اعظم ابو حنیفہؒ

امام صاحب کے حالات ذکر کرنے سے پہلے یہ ظاہر کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ تذکرہ صرف تعارف کی حد تک ہے۔ ان کے حالات زندگی

تفصیلات یا ان پر تبصرہ کرنا مقصود نہیں کہ اس کے لیے بڑی فرصت درکار ہے۔ پھر اس کا یہ محل بھی نہیں۔ اس مختصر تذکرہ سے اجمالاً یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام اعظمؒ حفظ و دیانت، عبادت و عادت، اخلاق و عقل اور فہم و فراست میں کتنا بلند پایہ رکھتے تھے۔ امام صاحب کا یہ تذکرہ صرف عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ اس مختصر تذکرہ کو بصیرت کے ساتھ پڑھیے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کیسے تھے اور ان کا کیا مرتبہ تھا۔

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

تاریخ کا یہ بھی عجیب خیز ورق ہے کہ وہ ایک طرف تو امام صاحب کی تعریف و توصیف میں بکھری جاتی ہے۔ اسی کے ساتھ وہ دوسرے ہی ورق پر دیانت و عقل کا کوئی عیب ایسا اٹھا کر نہیں رکھتی جو آپ کی ذات میں لگا نہیں دیتی۔

خطیب بغدادی نے پورے ستر صفحات پر امام صاحب کا تذکرہ لکھا ہے۔ پہلے امام صاحب کے مناقب میں صفحے کے صفحے رنگ دیے ہیں۔ اس کے بعد تقریباً اتنے ہی صفحات پر آپ کی ذات میں وہ نکتہ چینیاں نقل کی ہیں جو دنیا کے پردہ پر کسی بدتر سے بدتر آدمی پر بھی نہیں کی جا سکتیں۔

ایک متوسط عقل رکھنے والا انسان ان متناقض بیان کو پڑھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کوئی انسان بھی ایسی دو متضاد صفات کا حامل نہیں ہو سکتا۔ یا اس کے مناقب کی یہ تمام داستان فرضی ہے یا پھر

عیوب کی یہ طویل فہرست صرف فرضی حکایات اور صریح بہتان ہے۔

مؤرخ ابن خلکان نے خطیب کے اس غلط طرز پر حسب ذیل الفاظ میں تردید کی ہے :-

"وقد ذكر الخطيب في تاريخه منها شيئاً كثيراً ثم اعقب ذلك بذكر ما كان الاليق تركه والاضراب عنه فمثل هذا الامام لايشك في دينه ولا في ورعه ولا في حفظه ولم يكن يعاب بشيء سوى قلة العربية" :

(جلد ۲ : ص ۱٦۵)

یعنی خطیب نے اپنی تاریخ میں آپ کے مناقب کا بہت سا حصہ ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ایسی نازیبا باتیں لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض کرنا مناسب تھا۔ کیونکہ امام اعظم جیسے شخص کے متعلق دیانت میں شبہ کیا جا سکتا ہے نہ حفظ و ورع میں۔ آپ پر کوئی نکتہ چینی بجز قلت عربیت کے اور نہیں کی گئی۔

امام صاحبؒ کے خلاف جس قدر مواد جمع ہو سکتا تھا خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اس کو یکجا جمع کیا ہے۔ جس کو ہر طبقے کے غیر مقلدوں نے شائع کیا ہے۔ مگر علامہ کوثری نے تانیب الخطیب میں ہر واقعہ کی سند پر کلام کر کے اس کی قلعی کھول دی ہے اور امام صاحب اور ان کے اصحاب کے بارے میں جس قدر جھوٹی روایات اور حکایات گھڑی گئی تھیں، سب کا جھوٹ نمایاں کر کے امت مرحومہ پر احسان عظیم کیا ہے۔

یہاں یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات آپ کی تعدیل و توثیق اور جارحین کی جروح کے مدلل جوابات کے سلسلہ میں جو کچھ یہاں لکھا گیا ہے اس کا ماخذ حضرت العلام مولانا عبد الغفار صاحب اعظمی کا ایک غیر مطبوعہ قلمی رسالہ ہے جو مجھ کو قیام بنارس کے زمانہ میں دستیاب ہوا تھا۔ حضرت مولانا عبد الغفار صاحب مئو ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے۔ اپنے زمانہ کے متبحر عالم، محقق او علوم نقلیہ و عقلیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلی رح اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ اور فقیہ العصر مولانا حبیب الرحمان صاحب اعظمی کے استاذ اور مربی تھے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ درجے کے مقدس مجتہد، محدث، ثقہ، صدوق، زاہد، عارف، خاشع اور متورع تھے۔ ان کے مناقب و فضائل میں محدثین اور علماء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ ہزارہا رسائل تصنیف فرما چکے ہیں۔ ان کے کمالات اور مناقب اسی طرح مسلم الثبوت ہیں جس طرح قطب الاقطاب شیخ المشائخ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہ کی ولایت۔

ائمہ میں امام اعظم آپ ہی کا لقب تھا، علماء اور محدثین کا بہت بڑا مجمع آپ کے ماننے والوں میں رہا ہے اور امت مرحومہ کا نصف سے زیادہ حصہ اب بھی آپ کے پیچھے چل رہا ہے۔ آپ عہد صحابہ میں پیدا ہوئے اور ورع اور تقویٰ، جود و سخا، علم و فضل، خرد و عقل کے جملہ کمالات آپ میں موجود تھے۔ آپ کی توثیق و تعدیل بڑے بڑے نقادفن محدثین اور فقہاء امت کر چکے ہیں۔ آپ کے مناقب میں صدہا کتابیں عربی اور فارسی میں تصنیف کی جا چکی ہیں۔ چونکہ اکثر کتابیں عربی میں ہیں، اور ہر شخص کے پاس وہ کتابیں موجود نہیں اور نہ ہر شخص زبان عربی سے واقف ہے اس لیے ہم اس رسالہ میں امام صاحب سے متعلق حسب ذیل امور سے بہت ہی محققانہ طور سے بحث کریں گے۔

(۱) امام صاحب کے مناقب اور ان کے ثقہ و صدوق اور جید الحافظ ہونے کا ثبوت۔

(۲) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان کا تحقیقی جواب۔

(۳) آپ کے محدث، حافظ اور ناقد الحدیث ہونیکا ثبوت اور قلیل الروایت ہونے کی شرح۔

(۴) آپ کی فصاحت و بلاغت اور عربی مہارت کا ثبوت۔

امام صاحبؒ کے حالات

امام اعظم آپ کا لقب، ابو حنیفہ آپ کی کنیت اور نعمان آپ کا اسم گرامی ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت ثابت کوفہ کے بہت بڑے تاجر تھے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خاندان کے لیے دُعا فرمائی۔

(تاریخ بغداد لابن جزء ۲)

آپ کی ولادت اگرچہ علامہ زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ ۷۰ھ میں تسلیم کی ہے اور قرائن و دلائل سے اسی کو ترجیح بھی دی ہے، لیکن حافظ شمس الدین ذہبی اور جمہور آپ کی ولادت سنہ ۸۰ھ میں مانتے ہیں۔

امام صاحبؒ کا اصلی وطن کوفہ ہے، جو اس وقت حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا مرکز تھا، کیونکہ کوفہ میں ہزاروں صحابہؓ کا